جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۴ نمبر

رجب ۱۴۴۰ھ / مارچ ۲۰۱۹ء

شمارہ نمبر ۱۲

زرتعاون

فی شمارہ	۱۵/روپے
سالانہ زرتعاون	۱۵۰روپے
بیرون ملک سالانہ	۲۵ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

دہشت گردی اور دینی مدارس

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ہندوستان کے موجودہ ماحول میں مذہب کے نام پر منافرت، ایک دوسرے سے عداوت اور غیر اسلامی وغیر فطری حرکات نے پورے ہندوستان کا سکون اور یہاں کی امن وامان کی فضا کو انتہائی مسموم بنا دیا ہے، ہمارا وطن ہندوستان جنت نشان رقابتوں اور عداوتوں کے گرداب بلاخیز میں پھنسا ہے، افتراق وانتشار کے اژدہے انسانیت کو نگلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اس خطرناک صورت حال کی بہت بڑی ذمہ دار یہاں کی فرقہ پرست تنظیمیں اور مذہب وملت کو آلہ بنا کر ہندوستانیوں کے جذبات سے کھیلنے والے افراد ہیں۔

ہندوستان میں اس وقت پھر سے بڑے زور وشور کے ساتھ ’’اسلام اور دہشت گردی‘‘ کا موضوع اٹھایا گیا ہے، روزانہ اخبارات اور ٹی وی کی خبروں میں مسلمانوں کے ساتھ دہشت گردانہ حملوں کو جوڑ کر نمایاں کیا جاتا ہے، خاص طور سے ہندوستان میں اسلام دشمن تنظیموں نے دہشت گردی کو مدارس اسلامیہ سے جوڑنا شروع کیا کہ ان مدارس میں جہادی تیار کئے جاتے ہیں اور آئی ایس آئی، لشکر طیبہ، جیش محمد کے ایجنٹ تیار ہوتے ہیں، اور یہ اہلِ مدارس خود منصوبہ سازی کر کے دہشت گردانہ حملے کراتے ہیں اور پھر پولیس، حکومت ذمہ دار آفیسران اور میڈیا کسی بھی واقعہ کے فوراً بعد صراحۃ یا اشاروں کنایوں میں کسی اسلامی تنظیم کا نام لیتے ہیں، دوسرے دن میڈیا اس کو اچھالنے لگتا ہے اور اسی فکر وسوچ کے ساتھ تحقیقات کو آگے بڑھایا جاتا ہے اور اب تو مختلف صوبوں میں کسی ابھرتے باصلاحیت عالم دین کو یا مسلم نوجوان کو خفیہ محکمہ اس کے گھر سے دہشت گرد کہہ کر اٹھا لیتا

ہے، چند ہفتہ کے بعد مع اسلحہ کسی ریلوے اسٹیشن یا بس اڈہ یا کسی دوسرے علاقہ سے اس کی گرفتاری جلی عنوان سے دکھائی جاتی ہے، اوران کے ساتھ تعصب ونفرت کا یہ حال ہوچکا ہے کہ وکلا ان کا کیس نہیں لیتے، جب کہ سیکڑوں قتل کرنے والے ڈاکو، مافیا ڈان اور ملک کو نقصان پہنچانے والے جرائم پیشہ افراد کے مقدمے ہمارے وکلاء فخر سے لڑتے ہیں، میڈیا ان کو ہیرو بنادیتا ہے سیاسی پارٹیاں ان کو ممبران پارلیمنٹ بنادیتی ہیں، اور سیاسی لیڈر، ان مجرموں کو اپنا سرپرست بناتے ہیں انھیں قاتلوں کے بل بوتے پر اکڑتے ہیں۔

دہشت گردی کو مسلمانوں اور مدارس سے جوڑنا، یہ سب بیکار کی باتیں ہیں، حقائق سے چشم پوشی اور تاریخی واقعیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اس وقت ملک میں دہشت گردی یقیناً اپنے پاؤں پھیلا رہی ہے، ملک دشمنی پر مبنی ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں جو یقیناً دہشت گردی کی کوکھ سے جنم لے رہے ہیں، ملک کی سالمیت کو خطرہ بڑھتا جارہا ہے، ایک سچا محب وطن بے چین اور پریشان ہے کہ دہشت گردی کے یہ واقعات کس طرح ختم ہوں؟ ملک میں امن وامان کی فضا کس طرح بحال ہو، کس طرح یہ ملک ترقی کی راہ پر تیز گام ہو۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اسلام کو دہشت گردی سے جوڑ کر سوچنے والے پہلے اسلام کی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کرتے، اس کی چودہ سو سالہ روشن اور تابناک تہذیب کا دیانت داری سے جائزہ لیتے کہ جس دین کی اصل ہی سلامتی ہے اس سے بے گناہوں کا قتل ناحق کرانے کی ترغیب کیسے مل سکتی ہے۔

اسلام سلامتی کا پیغامبر اور مسلمان امن وسلامتی کا پیکر ہے، عام انسان ہوں یا اس کے پڑوسی ہوں کسی کو تکلیف دینا، ان پر ظلم وستم ڈھانا اسلام اس کو گوارہ نہیں کرتا، جبر واستبداد، قتل وغارت گری اسلامی شان کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واللہ لایومن واللہ لایومن واللہ لایومن قیل من یا رسول اللہ؟ قال الذی لایامن جارہ بوائقہ۔(بخاری)

خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے لوگوں نے پوچھا کون شخص اے اللہ کے رسول؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی اذیت رسانی سے محفوظ نہ رہ سکے۔

مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے والے ایک منظم سازش کے تحت ایسا کررہے ہیں اس لئے کہ ''دہشت گرد'' کہنے والے مسلمانوں کو پہلے بنیاد پرست، رجعت پسند جیسے دوسرے نام دے چکے ہیں، بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے والے فرقہ پرست اسلام کے تئیں نفسانی خوف کا شکار ہیں ان کو اسلام اپنے اقتدار کی راہ میں رکاوٹ دکھائی دیتا ہے، اب اسلامی بیداری نے انھیں اورحواس باختہ کردیا ہے۔

اس وقت جس بھونڈے انداز میں مدارس کوملوث کرنے کی سازش ہورہی ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلکی اختلافات سے بلند ہوکرملت اسلامیہ کچھ سوچے اور کچھ کرے ورنہ اسلام کی نشرواشاعت کے یہ مراکز غیر معتبر ہوجائیں گے اور دشمنان اسلام اپنے مقاصد میں کامیاب ہوجائیں گے۔

ہندوستان کے موجودہ ماحول کے تناظر میں نفرت سے نفرت اور دشمنی سے دشمنی پیدا ہونا ایک بدیہی بات ہے، بقول مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط ''اس چکر سے نکلنے کے لئے نفرت کومحبت سے اور دشمنی کو دوستی سے بدلنے کی ضرورت ہے، آگ کا جواب پانی ہے، زہر کا علاج تریاق ہے، اگر کوئی حق ناشناس ہم سے نفرت وعداوت کا معاملہ کرتا ہے تو ہم اس سے محبت ویگانگت سے ملیں، جس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی دنیا کو اخوت ومساوات کا سبق دیا ہے اس کی سیرت کو برتنے کی ہم بھرپور کوشش کریں یقینا نفرت کے خارزاروں میں محبت واخوت کے گل وگلزار کھلیں گے۔''

دہشت گردی کو مدارس اسلامیہ سے جوڑنے والے اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ مدارس دینیہ اپنی تاریخ کے زور اول ہی سے اپنا ایک مخصوص رجحان اور خاص نصب العین

رکھتے ہیں، مدارس اسلامیہ کا سررشتہ صفۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، اس مختصر سے چبوترے پر بیٹھ کر وقت کے مفلوک الحال حضرات اپنی دنیا و آخرت سنوارنے اور مخلوق خدا کی نفع رسانی کی خاطر دانش کدۂ نبوت سے علم وعرفان الٰہی کی سوغات سمیٹنے میں ہمہ تن مصروف ومنہمک رہا کرتے تھے اسی نسبت اور تعلق پر قائم ہونے والے یہ مدارس اسلامیہ اپنا نصب العین کیسے بدل دیں گے؟ آج پوری دنیا میں اسلام اور مدارس پر دہشت گردی کا الزام لگانے والے اصل میں اپنے جرائم کی پردہ پوشی چاہتے ہیں کہ ہم اسلام اور اس کے مراکز مدارس کو اس قدر مطعون کریں کہ دہشت گردی کی بنیادیں جو ہم نے قائم کررکھیں ہیں ان کا تعلق مسلمانوں سے جوڑ دیا جائے۔

مدارس اسلامیہ نے ہمیشہ ہندوستان میں امن وامان کو فروغ دینے کی عمدہ مساعی کی اور فرقہ پرستی، دہشت گردی اور تعصب پر مبنی طرز عمل کی بیخ کنی کی، انھیں مدارس سے تعلیم پانے والوں نے پورے ملک میں امن وسلامتی کا پیغام عام کیا، تمام باشندگانِ ہند کے حقوق کی حفاظت کی اور تمام ہندوستانیوں کے درمیان اونچ نیچ بھید بھاؤ ختم کرکے سب کو ادب واحترام کا سبق سکھایا۔

اس ملک کی سالمیت اور امن وسلامتی کو جو خطرات اس وقت درپیش ہیں اس کو ہر انصاف پسند طبیعت صاف طور پر محسوس کرسکتی ہے، ایسے حالات میں اب مسلمانوں کو اور خاص طور سے اربابِ مدارس کو ایک منصوبہ بند حکمت عملی بنانی ہوگی، اولاً اپنے عمل وکردار سے اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مذہبی منافرت کی جو فضا بنی ہوئی ہے وہ ختم ہوسکے، اسی کے ساتھ ساتھ اسلام کی وہ بنیادی قدریں جو اخوت، انسانی حقوق، معاشرتی امن وامان کی بحالی اور تعمیر ملک وملت کی تعلیم دیتی ہیں، ان کو شدت سے اجاگر کرکے دلوں کو فتح کرنے کی ضرورت ہے۔

درسِ قرآن

استعاذہ: احکام وفضائل

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔

معاف کرنے کی عادت بناؤ، اور نیک کام کرنے کی تعلیم دیا کرو، اور جاہلوں سے کنارہ کیا کرو، اور اگر شیطان کے ابھارنے سے غصہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو، بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے، جن کے دلوں میں ڈر ہے جب ان کو شیطان کے ابھارنے سے کوئی غصہ آتا ہے، تو وہ فوراً اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں اور سنبھل جاتے ہیں۔(اعراف: ۱۹۹ تا ۲۰۱)

تشریح

دوسروں کے ساتھ، آدمی کو جو سلوک کرنا ہے اس سے متعلق کچھ ہدایات اس آیت شریفہ میں دی گئی ہیں، گذشتہ آیات میں بت پرستوں کی حماقت وجہالت بیان کی گئی کہ بے جان چیزوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت کرتے یا برا لفظ زبان سے نکالتے، اس لئے اس آیت میں تین ہدایتیں دی گئیں

(۱) جو لوگ آپ کے ساتھ برائی اور ظلم سے پیش آئیں آپ ان سے انتقام نہ لیں بلکہ معاف کر دیں، اور عفو ودرگذر کی عادت بنائیں رکھیں۔

(۲) معاف کر دینا اور ظالم سے انتقام کا بدلہ نہ لینا ہی بڑی نیکی نہیں بلکہ آپ اس کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرتے ہوئے نصیحت کرنے سے نہ رکیں، اور یہ احسان کریں کہ نرمی کے ساتھ ان کو حق بات بتلائیں، بدستور اس کو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے

رہیں، اور برے کام پر روک ٹوک کرتے رہیں بالفاظ دیگر برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں۔

(۳) بہت سے جاہل ایسے بھی ہوتے ہیں جو روک ٹوک پر جہالت اور سختی سے پیش آتے ہیں، دلخراش اور جاہلانہ کلام کرتے ہیں، اول فول بکنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کو ترکی بہ ترکی جواب نہ دیں، انہیں جیسی گفتگو نہ کریں بلکہ کنارہ کش ہو جائیں اور سکوت اختیار کریں۔

اس عفو و درگذر اور کنارہ کشی کی شکل میں کوئی احمق زیادہ گستاخی بھی کرسکتا ہے، اس کی یہ گستاخی درگذر کرنے والے آدمی کے غیظ و غضب کا سبب بن سکتی ہے اور شیطان آدمی کی تاک میں لگا ہی رہتا ہے، ایسے موقع پر وہ انسان کو بذریعہ وساوس، غصہ یا کسی اور ناجائز کام کے کرنے پر اکسا سکتا ہے۔

شیطان کے اس وسوسہ کا علاج بھی اس آیت شریفہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت کسی نالائق کی حرکت پر غصہ آجائے، اور شیطان لعین آپ کو کسی ایسے معاملہ پر آمادہ کردے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے خلق عظیم اور حلم و متانت کے شایان شان نہ ہو، تو آپ فوراً **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** پڑھئے یعنی شیطان مردود کو اپنے سے دور دفع کرنے کی اللہ سے دعا کیجئے۔

اس کے خطرات و وساوس، مغویانہ تدبیروں، سازشوں اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا طریقہ یہی ہے کہ مؤمن اولاً صدق دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آجائے، استعاذہ (پناہ میں آنا) کا اصل تعلق تو دل سے ہے مگر زبان و دل کو موافق کرنے کے لئے زبان سے بھی **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم**، کہنا مشروع ہے۔ (مستفاد از تفسیر عثمانی)

غصہ اور استعاذہ

شیطان کو انسانی جھگڑوں سے خاص دلچسپی ہے، بڑے سے بڑے برد بار، باوقار آدمی کو غصہ دلا کر حدود سے نکال دینے کی کوشش کرتا ہے، اچھے بھلے انسان کو بھی غصہ دلا کر لڑنے

جھگڑنے پر آمادہ کر دیتا ہے، غصہ کی حالت میں آدمی حدِّ اعتدال سے نکل جاتا ہے، صورت بھی بدل جاتی ہے، کہ چہرہ آگ کے مانند سرخ ہوجاتا ہے، اور سیرت بھی بدل جاتی ہے کہ لطف و عنایت کے بجائے دل میں بغض و کینہ پیدا ہوجاتا ہے، زبان بھی بدل جاتی ہے کہ دل نشیں، محبت آمیز گفتگو کے بجائے آدمی مغلظات پر اتر آتا ہے، کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی بکنے لگتا ہے، اس طرح غصہ آدمی کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے،

حدیث: غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد جیسی شیریں چیز کو خراب کر دیتا ہے، **ان الغضب لیفسد الایمان کما یفسد الصِبر العسل** (بیہقی فی شعب الایمان رقم: ۸۲۹۴)

ایک دوسری حدیث میں تو غصہ کو آگ کا انگارہ بتایا ہے کہ جس طرح آگ کا انگارہ اپنی جبلت کی وجہ سے خود تو حرارت کا حامل ہے ہی، مگر جس چیز پر رکھ دیا جائے بلکہ قریب بھی کر دیا جائے تو اس کو بھی گرما دیتا ہے، اسی طرح غصہ بھی آدمی اور اس کی طبیعت کو گرما دیتا ہے، گردن کی رگیں پھول جاتی ہے، طبیعت ہانڈی کی مانند جوش مارنے لگتی ہے، منہ سے جھاگ نکلنے لگتے ہیں اور جس طرح انگارہ ایک منٹ میں جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، غصہ بھی برسہا برس کے تعلقات پر ایک منٹ میں پانی پھیر دیتا ہے، جو دین و دنیا کے خسارے کا باعث ہوتا ہے، اس لئے غصہ اور اس کے اسباب سے بچنے کی حدیث میں بار بار تاکید فرمائی گئی ہے، **لا تغضب لا تغضب لا تغضب** ....

(یہ اس غصہ و غضب کی بات کی جارہی ہے جو لوجہ اللہ نہ ہو، ورنہ تو جو غصہ و غضب للہ، فی اللہ ہو، وہ تو محمود ہے، اس کو تو ایمان کی مضبوط کڑی بتایا گیا ہے۔)

غصہ کا علاج

حدیث شریف میں غصہ کے دو علاج بتائے گئے ہیں (۱) علمی علاج (۲) عملی علاج

علمی علاج: غصہ ہمیشہ اپنے سے کمتر پر آتا ہے، آدمی جس کو کمزور سمجھتا ہے اس کو اپنے انتقام کی آگ میں جلانا چاہتا ہے، اس لئے آدمی یہ سوچے کہ ایک ذاتِ عالی تجھ سے بھی بڑی ہے، اس کا

غصہ وانتقام تیرے غصہ وانتقام سے کہیں بڑھ کر ہے، اگر میں نے انتقامی کارروائی کی، تو اس ذات کی انتقامی کارروائی کہیں بڑی ہوسکتی ہے، یہ بھی سوچ! کہ تیرا نامۂ اعمال صغائر سے پُر اور کبائر سے سیاہ ہے، کتنی بار تو نے نافرمانیاں کیں، مگر اس نے تجھ کو سزا نہ دی، تیرے سر، دھڑ کو اپنے آستانے کے بجائے دوسروں کی چوکھٹ پر جھکتے دیکھا، مگر تجھے صفحۂ ہستی سے نہیں مٹایا، کتنی بار تو نے حمد کے زمزمے گنگنانے کی بجائے گندے وفحش گانوں اور ترانوں سے اپنی پاک زبان کو ناپاک کیا، مگر اس نے نطق وگویائی کی نعمت سے تجھ کو ابھی تک محروم نہیں کیا، بلکہ وہ قادرِ مطلق عفو ودرگذر سے نوازتا رہا، تو بھی سنبھل! اور یہ سب سوچ کر اپنے سے کمزور کو معاف کردے، یہی نشانِ راہ ہے، متقی وخداترس لوگوں کا ،اور یہی نشانی بتائی گئی ہے ذاتِ خدا سے تعلق ومحبت رکھنے والوں کی، إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔

اعلان ملکیت فارم IV

(۱) مقام اشاعت مدرسہ مظاہرعلوم پتہ مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور یوپی

محلہ مبارک شاہ سہارنپور (یوپی) (۴) پرنٹر پبلشر مولانا محمد سلمان

(۲) مدت اشاعت ماہانہ قومیت ہندوستانی

(۳) ایڈیٹر مولانا محمد سلمان پتہ مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور یوپی

قومیت ہندوستانی ملکیت مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور یوپی

میں (مولانا) محمد سلمان تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا امور میرے علم کے مطابق صحیح ہیں

انوارِ حدیث | گذشتہ سے پیوستہ

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے.........

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

قبضہ سے قبل غنیمت کی فروختگی سے ممانعت

ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يَبِعْ نصيبَه من المَغْنَمِ حتى يَقْبِضَه۔

جس شخص کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے وہ غنیمت میں سے اپنے حصہ کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلے۔

ابوداود شریف کے الفاظ یہ ہیں: **ولا يَحِلُّ لامرِئٍ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يَبِيْعَ مغنماً حتى يُقْسَمَ** یعنی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے شخص کے لئے غنیمت کو بیچنا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اس کو تقسیم کردیا جائے۔

غازی کے لئے مال غنیمت میں سے اپنے حصہ کو اسی وقت فروخت کرنا جائز ہوگا جب مال غنیمت تقسیم ہوجائے اور اس کا حصہ اس کے قبضہ میں آجائے، اس سے قبل فروخت کرنا حرام ہے، کیونکہ مبیع (فروخت کی جانے والی چیز) مجہول (نامعلوم) ہے (تبیین الحقائق للزیلعی ۴/۱۰۳)

البتہ اگر امام (حکمراں) مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اسے فروخت کرنے میں کوئی مصلحت سمجھے، مثلاً دار الحرب سے منتقل کرنے کی دشواری وغیرہ کی بنا پر، تو اسے فروخت کا حق حاصل ہے اور یہ بلا کراہت جائز ہے (فتح القدیر ۵/۲۷۴)

سونے کے عوض سونا بیچتے وقت ہم وزن ہونا ضروری ہے

عن حنش أنه قال كنا مع فضالة بن عبيد في غزوة فطارت لي و لأصحابي قلادة فيها ذهب و ورق و جوهر فأردت أن أشتريها فسألت فضالة بن عبيد فقال: انز ع

ذهبها فاجعله في كفة واجعل ذهبك في كفة ثم لا تأخذن إلا مثلاً بمثل فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يأخذن إلا مثلاً بمثل (رواه مسلم فی البیوع ۲/۲۶، والطحاوی فی شرح معانی الآثار فی کتاب الصرف ۲/۲۱۹)

حضرت حنشؒ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں حضرت فضالہ بن عبیدؓ کے ساتھ تھے تو میرے اور میرے ساتھیوں کے حصہ میں ایک ہار آیا جس میں سونا، چاندی اور جوہر تھا، میں نے اس ہار کو خریدنے کا ارادہ کیا تو حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے میں نے معلوم کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہار کا سونا نکال کر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھو اور اپنا سونا (قیمت) دوسرے پلڑے میں رکھو، اور پھر بالکل برابر وزن کے ساتھ لو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے وہ نہ لے مگر برابر سرابر۔

حضرت رویفع بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: **من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يبتاعنّ ذهباً بذهب إلا وزناً بوزن** (مسند أحمد ۴/۱۰۹۔رقم ۱۷۰۳۹) یعنی جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے وہ سونے کے بدلے میں سونا نہ خریدے مگر یہ کہ دونوں بالکل ہم وزن ہوں۔

ربا (سود) اسلام میں حرام ہے یعنی کیلی یا وزنی (ناپی یا تولی جانے والی) اشیاء کو اسی کی جنس کے ساتھ جب خریدا یا بیچا جائے تو اس میں کمی بیشی بھی حرام ہے اور اسی طرح ادھار بھی حرام ہے، جیسے سونے کو سونے کے بدلے، یا چاندی کو چاندی کے بدلے، یا گیہوں کو گیہوں کے بدلے بیچا جائے تو دونوں کا بالکل برابر ہونا اور بالکل نقد معاملہ ہونا ضروری ہے، البتہ کیلی یا وزنی چیز کو دوسری جنس کے ساتھ بیچا جائے، مثلاً سونے کو چاندی کے بدلے یا گیہوں کو جَو کے بدلے، تو اس صورت میں کمی بیشی جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں ہے۔

قدیم زمانے میں سونے اور چاندی کے سکے رائج تھے، سونے کے سکے کو دینار اور چاندی کے سکے کو درہم کہا جاتا تھا، اس لئے حضرت حنشؒ نے جب وہ ہار خریدنا چاہا جس میں سونا، چاندی

اور جواہرات سب تھے تو حضرت فضالہؓ نے ان کو یہ حکم دیا کہ پہلے ہار میں لگے ہوئے سونے کو الگ کرلو پھر اس کے ہم وزن سونے سے خریدلو تا کہ کمی بیشی کی وجہ سے سود نہ بن جائے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اور حسن بن صالحؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مفرد سونا (تنہا سونا) مرکب سونے (کسی دوسری چیز میں لگا ہوا) سے زیادہ ہو تو اس صورت میں خرید وفروخت درست ہے، مفرد سونے کی جو زائد مقدار ہے وہ مرکب سونے کے ساتھ لگی ہوئی چیز کا عوض بن جائے گی، لہٰذا سود لازم نہیں آئے گا، اور اگر مفرد سونا مرکب سونے کے برابر یا اس سے کم ہو تو خرید وفروخت ناجائز اور باطل ہے، کم ہونے کی صورت میں باطل ہونا واضح ہے اس لیے کہ کمی بیشی پائی جارہی ہے جو سود ہے، اور برابر ہونے کی صورت میں اس لئے باطل ہے کہ سونا تو سونے کے عوض ہوجائے گا اور سونے کے ساتھ لگی ہوئی چیز کا عوض نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح جب مرکب سونے کی مقدار معلوم نہ ہو تو بھی بیع فاسد ہے۔

اور حضرت فضالہؓ کی حدیث میں مرکب سونے کو مفرد سونے سے خریدنے کی جو ممانعت آئی ہے اس سے وہ صورت مراد ہے جس میں مفرد سونے کی مقدار مرکب سونے سے کم یا برابر ہو، اور یہ بات حضرت فضالہؓ کی ایک دوسری روایت سے واضح ہوجاتی ہے جس میں انھوں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ: **اشتریتُ یوم خیبرَ قلادة باثنی عشر دیناراً فیھا ذھب و خرز ففصلتھا فوجدتُ فیھا أکثر من اثنی عشر دیناراً فذکرتُ ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: لا تباع حتی تُفصلَ** (مسلم ۲/۲۵) میں نے جنگ خیبر میں بارہ دینار میں ایک ہار خریدا جس میں سونا اور جواہرات تھے، تو میں نے اس کو الگ کیا تو بارہ دینار سے زیادہ سونا پایا، میں نے اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا اسے نہ بیچا جائے، یہاں تک کہ الگ کرلیا جائے (مسلم شریف) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی آسانی کے لئے سونے کو الگ کرکے بیچنے کا حکم دیا تا کہ سود کا کوئی خطرہ باقی نہ رہ جائے (تکملہ فتح الملہم ۱/۶۰۲ و ۶۰۴)

اتحاد کی حقیقی بنیادیں

مولانا محمد فیاض قاسمی سمستی پوری

یہ ایک حقیقت ہے کہ آفتاب اسلام کی ضیاپاشیوں سے قبل سرزمین عرب پر جہالت و تاریکی چھائی ہوئی تھی اور نہ صرف عرب بلکہ دنیا کا گوشہ گوشہ تاریک اور چپہ چپہ تیرہ وتار ہورہا تھا، دنیا حق پرستی کے نام سے ناآشنا ہوچکی تھی، کرۂ ارض کی تمام آبادی غیر الٰہی عبودیت و پرستش کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی تھی، تہذیب وتمدن کا چراغ گل، فلسفہ وحکمت کا بازار سرد تھا، کائنات عالم کے صفحات کفر وشرک، فسق وفجور کے نقشہائے باطل سے ڈھکے ہوئے تھے، معمورۂ عالم کے اوراق رہزنی وسفاکی، ظلم وتعدی، افتراق وانتشار، قبیلہ پرستی اور باہمی تنازع کے گھناؤنے دھبوں سے داغدار ہورہے تھے، **ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس** خشکی اورتری میں انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیلا ہوا تھا۔

ایسی حالت اور ایسے وقت میں جب کہ روح انسانی پژمردہ ہورہی تھی، انسانیت تڑپ رہی تھی، کائنات کا ذرہ ذرہ تشنہ کام ہورہا تھا؛ بطحا کی خاک سے ایک یتیم (فداہ ابی وامی) اٹھا اور عالم کے لیے رحمت بن کر نمودار ہوا۔

دنیا توحید کی نعمت سے محروم ہوچکی تھی، عیسائی تین خداؤں کے قائل ہوکر دنیا کو گمراہی کے جہنم میں دھکیل رہے تھے، ایران میں آتش کدہ معبود بنا ہوا تھا اور یزداں واَہرمن دو خدا مانے جاتے تھے، ہندوستان میں ہندوؤں نے مظاہر قدرت کو خدا بنا رکھا تھا اور ۳۳ کروڑ دیوتا ان کے قلوب پر حکمرانی کررہے تھے، غرض دنیا کے گوشہ گوشہ سے توحید الٰہی مفقود ہوچکی تھی اور شرک وکفر کا دور دورہ تھا، کلمہ کے معلم امی نے آکر سب سے پہلے دنیا کے آگے توحید کا گلدستہ پیش کیا

اور لاالٰہ الا اللہ کا پیغام شیریں ہر انسان کے کانوں تک پہنچادیا، ایک ہی پکار میں مدتوں کے مدہوشِ غفلت چونک اٹھے، برسوں کی سرمست خواب قومیں بیدار ہوگئیں۔

دنیا کی اصلاح کے لیے انسانی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا پیغام لے کر آئے جو مذہب کی روح، خداشناسی کی شرط اوّل اور انسانی شرافت کی بنیاد ہے وہ توحید الوہیت اور ربوبیت تھی جس کی جامع حقیقت صرف ایک کلمہ لاالٰہ الااللہ میں پنہاں ہے۔

دوسری چیز جو آپ نے انسانیت کا درجہ بلند کرنے کے لیے پیش کی وہ عالمگیر انسانی برادری کا قیام اور ذات پات کی تفریقوں، رنگ و روپ کے امتیازوں اور نسل وقوم کے اختلافات کا مٹانا تھا۔ پیغمبر اسلام ہی دنیا میں وہ پہلے انسان ہیں جنھوں نے اعلیٰ وادنی کا تفرقہ مٹایا، کالوں اور گوروں کا امتیاز فنا کیا، امیر وغریب کی حد بندیاں توڑیں، وطنی اور قبائلی فخر وغرور کا سر کچلا اور تمام بنی نوع انسان کو بلا کسی تفریق وامتیاز کے ایک ہی صف میں لاکھڑا کردیا۔

خود پیغمبر اسلام کی عملی زندگی یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں امیر وغریب، دولت مند وفاقہ کش سب ہی تھے؛ آپ کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا۔ آپ کی بارگاہ میں اگر ایک طرف ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما جیسے امراء موجود تھے تو دوسری طرف اسی شان وحیثیت سے ابوہریرہ و ابوذر رضی اللہ عنہما جیسے مفلس اور بلال وسلمان رضی اللہ عنہما جیسے غلام بھی موجود تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے مالداروں کو غرباء پر ترجیح دی ہو یا سرمایہ داروں کو کسی خاص رعایت سے نوازا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرماتے ''تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وہ مرتبہ حاصل کیا کہ انصاریوں نے برضا ورغبت اپنی بیوی ان کو بیاہ دی، اور جب ان کا انتقال ہوتا ہے تو حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسے خوددار انسان جن کی سطوت وہیبت سے کسریٰ وقیصر کے اندام پر لرزہ تھا ''الیوم مات سیدنا'' افسوس آج ہمارا آقا ہم سے جدا ہوگیا، کہہ کر روتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر پیار

کرتے تھے کہ لوگ ان کو ''زید بن محمد'' کہنے لگے۔ ان کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتنی محبت کرتے تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ دونوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغوش میں لے کر فرمایا: ''خدایا میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر'' (بخاری کتاب المناقب) اور صرف اظہار محبت وہمدردی ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو آزاد کر کے ان کے ساتھ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کو بیاہ کر دنیا کے لیے ایک بے نظیر مثال قائم کر دی۔ (بیان القرآن)

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس فوج کی سرداری عطا کی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے حسب ونسب والے افراد شامل تھے، فارس نژاد سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے ''سلمان منا اہل البیت'' حتی کہ مساوات کے عملی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کے ساتھ ساتھ اصولاً بھی یہ فرمادیا ''**لا فضل لعربی علی عجمی و لا لِاَحمر علی اسود کلکم من آدم و آدم من تراب**'' کسی عربی کو کسی عجمی پر فوقیت نہیں اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، بلکہ تم سب ایک ہو، کیونکہ تم آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔

چونکہ قومیت کی تعمیر اور اتحاد کے فروغ کے لیے سب سے پہلے نسلی امتیاز کا مٹانا ضروری تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف توجہ کی اور خود اپنے خاندان میں غیر قریشیوں کو جذب کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، اہل بیت اور خلفاء اسلام نے بھی اس پر عمل کیا اور رومی، ایرانی اور حبشی غلاموں اور کنیزوں کو نہ صرف معاشرانہ حقوق دیے بلکہ ان کو اپنے خاندان میں شامل کر کے ان کی عزت افزائی کی۔

اگر ہادیٔ برحق کی تعلیم میں وطنیت کو کوئی اصولی درجہ دیا جاتا تو ناممکن تھا کہ روم، فارس، حبشہ وقرن کے رہنے والے عرب کی زمین میں مدارج حاصل کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مسلمان جدھر چل کھڑا ہوتا اور اس نعرہ کے ساتھ ''ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست'' خدا کی زمین پر ڈیرے ڈال دیتا اور اسے اپنا وطن بنالیتا۔

مذہب کی اصل، نوع انسانی کی ہمدردی، عالمگیر اخوت اور باہمی اتحاد و بھائی چارگی ہے۔ کیا مذہب نام ہے ایک خاص حلقہ میں ربط و اخلاص اور شرکت وتعاون کا، کسی خاص عقیدے یا کسی خاص طبقہ کی عزت واحترام اور کسی محدود حلقے سے تعلق ولگاؤ کا۔ اگر واقعتاً مذہب یہی ہے تو پھر علمبرداران مذہب کو معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا ایسے مذہب کے سامنے گردن خم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور اگر مذہب نام ہے ایک عالمگیر انسانی اخوت اور اتحاد و اتفاق، ایک وسیع ہمدردی اور بلا امتیاز فرقہ وطبقہ، ذات برادری، رنگ ووضع، ہر انسان کو انسان سمجھ کر اس سے مخلصانہ محبت اور رواداری کا، ہر فرد کی خوشی اور غم میں ہمدردانہ شرکت وتعاون کا؛ تو پھر مدعیان مذہب جنھوں نے اپنے کو خود پرستیوں اور خود کامیوں میں محبوس کر رکھا ہو، اپنے دعووں اور اپنے کردار کا موازنہ کریں کہ وہ کہاں تک اس پر کھرے اترتے ہیں۔

ہمارے ملک میں قومی اجتماعیت، عالمگیر اخوت اور اتحاد و بھائی چارگی کی باتیں جتنی زیادہ کی جاتی ہیں شاید ہی دنیا کا کوئی دوسرا ملک ہو جہاں اس پر اتنا زور دیا جاتا ہو۔ کسی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے، ہمارے رہنما، عوام کو فرقہ پرستی، صوبہ پرستی، زبان پرستی اور تنگ نظری چھوڑ کر متحد ہونے اور قوم واحد بننے کی تلقین کرتے ملیں گے۔ اگر کوئی اعداد وشمار جمع کرے تو ہمارا اندازہ ہے کہ شاید ہی کوئی دن ناغہ ہوجاتا ہو جب کوئی چھوٹا یا بڑا لیڈر ملک کے کسی گوشہ میں عوام کے سامنے اتحاد کی خوبیوں اور انتشار وعلاقہ پرستی کی برائیوں پر وعظ نہ کہتا ہو۔

لیکن ان سب کے باوجود کوئی بستی کوئی قریہ، کوئی شہر اور قصبہ نہیں جہاں مذہب، ذات پات، دولت، سماجی رتبہ وحیثیت، زبان اور طرح طرح کی دیواروں نے انسانوں کو بانٹ نہ رکھا ہو، ہر ایک فرد اور اس فرد کے ساتھ رہنے سہنے والا گروہ دوسرے افراد اور گروہوں کو نیچا دکھانے اور اس پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر گروہ کے واجبی وواقعی حقوق ادا کرنا تو کجا، ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ دوسروں کے حقوق غصب کرلے۔

ملک میں کوئی ایسا دردمند دل نہیں جو اس صورت حال سے دکھی نہ ہو، لیکن افسوس یہ ہے کہ

بار بار طوطوں کی طرح اتحاد و یک جہتی کا سبق رٹنے رٹانے کے سوا کوئی غور کر کے یہ نہیں بتلاتا کہ اس انتشار اور کش مکش کا اصل سبب کیا ہے اور یہ کیسے ختم ہوگا۔

اتحاد پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب کا بنیادی مقصد زندگی ایک ہو، سب اس مقصد زندگی کی تکمیل کے لیے ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہوں، اور یہ مقصد زندگی بھی ایسا ہو کہ ہر ہر فرد کا مقصد و مفاد ایک دوسرے سے ٹکرانے کی بجائے پورے سماج کا مجموعی مقصد و مفاد بن جائے۔

کیا پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے عرب سوسائٹی میں کسی قسم کے بین الاقوامی اتحاد، قومیت اور باہمی اشتراک وتعاون کا تصور پایا جاتا تھا۔عرب کی تاریخ کا معمولی مبتدی بھی جانتا ہے کہ نہ ایسا تصور وہاں موجود تھا اور نہ اس پر وہاں عمل ہوتا تھا۔ ہمارے زمانہ میں کم سے کم اتنا ضرور ہوا ہے کہ قبائل و بستیاں ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے اتحاد اور تعاون کے تصورات بہت عام ہو گئے ہیں، ان تصورات کو کافی تقویت ملی ہے اور اس نصب العین کی طرف ہر ملک کے لوگ قدم بڑھانا بھی چاہتے ہیں اور اس کا عملی ثبوت بھی کسی نہ کسی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے جو کچھ کہا وہ صرف یہ تھا کہ ایک اور صرف ایک خدائے برتر کے بندے بن جاؤ، اس کے بعد کہا کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو، کسی کو کسی پر فوقیت اور برتری حاصل نہیں، الّا یہ کہ وہ تقویٰ والا ہو۔نسل، رنگ، قبیلہ اور زبان کا جو کچھ اختلاف ہے وہ محض اس لیے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔اس کے بعد بتلایا کہ ایک حقیقی خدا کے بندے بن کر زندگی گزارنے کا طریقہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ اور موڑ پر اور ہر آن تم اپنے نفس کے ساتھ اور دوسرے بندگانِ خدا کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرو۔اور یہ کہ تم جو بھی ظلم وزیادتی کروگے خواہ وہ اپنے ساتھ ہو یا حقیر سے حقیر نظر آنے والے بندۂ خدا کے ساتھ، اس کے لیے تمھیں مرنے کے بعد جواب دینا ہوگا۔اگر تمہارے گناہ زیادہ ہوئے تو تم عذاب کے مستحق ہوگے، اور اگر تمہارے کاموں سے راضی ہو کر اللہ بخش دے تو تمہارا ٹھکانہ دائمی راحت ہوگا۔

یہی سیدھی سادی اور ہر کس و نا کس کی سمجھ میں آجانے والی چند باتوں نے جو اثر کیا وہ تاریخ انسانیت کا روشن ترین باب بن کر ہماری عبرت اور سبق کے لیے محفوظ ہے۔

کیا کوئی انکار کرسکتا ہے کہ اس تعلیم نے جب اپنا اثر دکھلایا تو چشم فلک نے وہ اتحاد، وہ وصل اور باہمی میل محبت کا وہ سماں دیکھا جس کی نظیر مشکل ہے۔ کیا کوئی اس سے انکار کرسکتا ہے کہ تمام مصنوعی امتیازات مٹ گئے، بندھن ٹوٹ گئے اور انسان کی تکریم وعزت، بڑائی چھوٹائی کا معیار صرف اس کے اخلاق اور اس کے تقویٰ والی ذاتی اوصاف کے سوا کچھ اور نہیں رہا۔ جو ساری زندگی باہمی شکستگی میں مبتلا رہے جب اسلام نے انھیں جوڑ دیا تو وہی ساری دنیا کو انسانیت کے اتحاد کا پیغام دینے والے بن گئے۔

افسوس! کہ ہمارے ملک میں کوئی اتحاد کی ان یقینی بنیادوں کو پیش نہیں کررہا ہے، حتی کہ مسلمان، جس کا خدا ایک، رسول ایک، قرآن ایک، ایمان ایک، حرم پاک بھی ایک ہے، وہ بھی ان سارے حقائق اور تعلیمات سے الگ کوئی اور دوسری راہِ اتحاد تلاش کرنے میں سرگرداں ہے۔

عظمت اور مضرت

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کا قول ہے کہ میں دو سے ڈرتا ہوں ایک خدا کی عظمت سے ڈرتا ہوں اور دوسرا نفس کی مضرت سے۔

فائدہ : حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں چیزیں حاصل ہوجائیں تو ولایت کیا قطبیت کا درجہ حاصل ہوجائے دل میں خدا کی عظمت کے ساتھ نفس کی مضرتوں سے انسان بچ جائے تو کامیاب ہے کیونکہ ابلیس سے بھی بڑا رہزن خود انسان کا نفس ہے، ابلیس کو آخر گمراہ کس نے کیا یہ اس کا نفس ہی تو تھا جس نے اس کو سرکشی و نافرمانی پر آمادہ کیا اور انا خیر منه کہ میں آدم سے بہتر ہوں کا سبق سکھلایا ورنہ وہ تو معلم الملائکہ تھا خلاصہ یہ کہ اگر اپنا نفس رام ہوجائے تو پھر انسان انسان بن جائے۔

میوزک اور گانے

اللہ کی ناراضی کا سبب

بشکریہ ماہنامہ بینات، کراچی

اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے ہر شخص کا یہ نظریہ اور عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ کی مان مان کر چلنے، قدم قدم پر نبی مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے فرامین کو اپنانے، دین کی مبارک تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے میں ہی میری نجات، کامیابی اور دونوں جہاں کی خوشگوار زندگی کا سامان ہے۔ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے، لیکن پیارے نبی علیہ السلام کے پیارے ارشادات وہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ وہ جانتا ہے اور مانتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی بات کو میں نے پسِ پشت ڈالا تو میری دنیا بھی اُجڑ جائے گی اور آخرت بھی، آخرت کی نعمتوں سے بھی محرومی ہوگی اور دنیا کی خوشیاں بھی مجھ سے روٹھ جائیں گی، اگرچہ وقتی طور پر حاصل رہیں۔

گانا اور میوزک یہ ایک ایسی چیز ہے جو آدمی کی دنیا بھی برباد کرتی ہے اور آخرت بھی، بعض طبیعتوں کو میوزک سننے سے شاید لذت وراحت سی محسوس ہوتی ہو، ایسی لذت کی مثال اُس خارش زدہ شخص کی لذت جیسی ہے جس کو خارش کرتے ہوئے مزہ محسوس ہو رہا ہوتا ہے، لیکن کچھ دیر بعد ہی یہ مزہ اُس کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہ میوزک بھی اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ اور خطرناک سزا کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

یاد رکھیں! یہ گناہ دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ا– میوزک، گانا اور ساز و باجے پر۔ ۲– بے حیائی

کے جملوں اور بول، فحش خیالات، نامحرم کی آواز، جنسی جذبات کو بھڑکانے اور غلط و گناہ پر آمادہ کرنے والے نظریات پر، لہٰذا اگر دونوں باتیں جمع ہوں تب تو گناہ ہے ہی اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جارہی ہو تو ایسی آواز کا سننا بھی ناجائز اور حرام ہے، اس لیے ایسی نعت وغیرہ جس کے پیچھے (Backgroud) میوزک کی آواز ہو اُس سے بھی بچنا لازم ہے، البتہ اگر بغیر میوزک کے وہ نعت ہو اور دیگر کوئی خلاف شرع بات نہ ہو تو اُسے سنا جاسکتا ہے، لہٰذا میوزک اور ساز وغیرہ پر مشتمل نعتوں اور قوالیوں کے بارے میں یہ کہنا کہ: ''یہ تو نعت ہے یا قوالی ہے، اس سے کیا ہوتا ہے؟! اِس میں تو اچھی باتیں ہیں'' درست نہیں ہے، ایسی نعتوں اور قوالیوں کو نہیں سننا چاہیے، کیونکہ ان میں میوزک، ساز اور باجے کی آواز شامل ہے اور میوزک، ساز اور باجے کی آواز سننا بھی حرام ہے۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ راستے میں جارہے تھے، ان کے کانوں میں گانے اور ساز کی آواز آئی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اس راستے سے ہٹ گئے، پھر تھوڑے وقفے کے بعد اپنے شاگرد نافع سے پوچھتے رہے کہ کیا اب بھی آواز آرہی ہے؟ حضرت نافع اثبات میں جواب دیتے (یعنی آواز آرہی ہے) تو آپ چلتے رہتے، یہاں تک کہ جب گانے کی آواز سنائی دینا بند ہوگئی تو آپ نے اپنے کانوں سے ہاتھ ہٹالیے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گانے کی آواز پر اسی طرح کانوں میں انگلیاں ڈالتے دیکھا تھا۔ (مسند احمد: ٤٦٣٣)

ملاحظہ فرمائیے! گانوں کی آواز سے کتنی سخت نفرت تھی کہ کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔ گانے بجانے، سننے میں اپنے کریم رب اور ہمدرد نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کے ساتھ چند نقصانات یہ بھی ہیں:

١- دل میں نفاق پیدا ہوجانا: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

''اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ'' (شعب الایمان: ٤٧٤٦)

''گانا دل میں اِس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی اُگاتا ہے۔''

۲– اُمت پر مصیبتوں کا ٹوٹ پڑنا :ایک حدیث مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ (۱۵) ایسے اعمال بتائے کہ جب لوگوں میں وہ کام ہونے لگیں تو ان پر پریشانیاں اور مصیبتیں نازل ہونے لگ جاتی ہیں، ان میں سے ایک کام ساز باجوں اور گانوں کی کثرت ہے۔ (جامع ترمذی : ۲۲۱۰) اللہ ہماری اور ہماری نسل کی اِس سے حفاظت فرمائے۔

۳– بے حیائی عام ہونے لگتی ہے۔

۴– ہمارے بچوں، بچیوں کے اخلاق خراب ہونے لگتے ہیں، وہ اپنے والدین اور بڑوں کے نافرمان ہوجاتے ہیں۔

۵– اللہ کی یاد سے غفلت ہونے لگتی ہے۔

۶– بے چینی، بے سکونی اور بے اطمینانی کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، امریکا میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق ہر سال امریکا میں ۶۰۰ نوجوان گانے بجانے کے اثرات سے متاثر ہوکر خودکشی کر لیتے ہیں۔

۷– احساسِ ذمہ داری ختم ہوجاتا ہے۔

۸– فحش اور گندی زبان استعمال ہونے لگتی ہے۔

خوشگوار اور پرسکون زندگی کے لیے، طرح طرح کی پریشانیوں، مصیبتوں اور اللہ کے عذاب سے حفاظت کے لیے، بااخلاق وباکردار معاشرہ کی تشکیل کے لیے ہم میں سے ہر شخص یہ عزم کرے کہ وہ خود بھی گانے اور میوزک سننے سے بچے گا اور اپنے بچے، بچیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی نرمی اور محبت سے گانے سننے سے بچائے گا۔ اس کے لیے درج ذیل باتوں پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اِن کی ترغیب دیں:

۱– خدانخواستہ اِس گناہ میں مبتلا ہیں تو بلا تاخیر ابھی دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے پروردگار سے خوب رو رو کر مانگیں کہ: ''اے اللہ! مجھے اِس گناہ کی نحوست سے بچالے، اس کی نفرت میرے دل میں بٹھادے، تاکہ میں گانے ومیوزک کے خطرناک نقصانات سے بچ سکوں۔''

۲– جیسے ہی گانے کی آواز کانوں میں پڑے فوراً ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ'' پڑھنا شروع کردیں اور اپنے دل ودماغ کو گانے کی آواز سے ہٹا کر دوسرے کاموں میں لگانے کی کوشش کریں۔

۳– ایسی تقریبات اور محفلوں میں بھی جانے سے بچیں جہاں معلوم ہو کہ گانے، میوزک بجائے جائیں گے، اِس کا حل یہ ہے کہ تقریب سے کچھ دن پہلے یا کچھ دن بعد جا کر ان کی خوشی میں شریک ہوجائیں اور اُن کو یہ بتا کر معذرت کرلیں کہ: میں گانے اور میوزک سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے نقصانات سے بچالیں۔

۴– اپنے موبائل پر میوزک والی رنگ ٹون کو بدل لیں، تاکہ ہم خود بھی اِس گناہ سے محفوظ رہیں اور دوسروں کی تکلیف کا ذریعہ بھی نہ بنیں۔

۵– اِس دعا کو اپنے پاس نوٹ کرکے یاد کرکے دھیان کے ساتھ مانگنا شروع کردیں:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِکَ مِنْ مُنْکَراتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمالِ وَالْأَهْوَاءِ۔'' (جامع ترمذی: ۳۵۹۱)

''اے اللہ! میں برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔''

ہم میں سے ہر ایک یہ ٹھان لے کہ اب آئندہ ان شاء اللہ! ساری زندگی میں گانے نہیں سنوں گا، ایسی مجلس وتقریب سے میں فوراً دور ہوجاؤں گا، چاہے گانے بج رہے ہوں یا میوزک والی نعتیں یا قوالیاں سنی جارہی ہوں، کیوں کہ حقیقی خیر اور اصل سکون وکامیابی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے احکامات سے اپنی زندگیوں کو سنوارنے میں ہی ہے۔ خدائے رحمن سے درخواست ہے کہ تمام گناہوں بالخصوص گانے اور میوزک سننے سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین! (شمارہ فروری ۲۰۱۹ء)

دینی جلسے جلوس کی ناکامی کے اسباب

فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث جامعۃ الامام محمد انور شاہؒ، دیوبند

قرآن پاک میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے :و ذکر فان الذکری تنفع المومنین یعنی اے نبی! آپ مسلمانوں کو ان کے فرائض منصبی یاد دلاتے رہیے، یہ یاد دلانا قوم مسلم کے لیے بالیقین نفع بخش عمل ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کی پیش گوئی ہے کہ مسلمان جوں جوں عہد نبوی سے دور ہوتے جائیں گے ان کی وضع قطع اور تہذیب وتمدن، یہودیت اور عیسائیت کی نمائندہ ہوجائے گی، ہاں! احادیث ہی سے ثابت ہے کہ ایک جماعت قیامت تک مسلسل حق پر رہے گی، اسی حق پر رہنے والی جماعت کو طائفۂ منصورہ کہا جاتا ہے :لا تزالُ طائفةٌ من أُمَّتِي منصورينَ لا يَضُرُّهُمْ من خَذَلَهُمْ حتى تقومَ الساعةُ (ترمذی)

یہ درس گاہیں، یہ خانقاہیں، مساجد اور مجالس کے یہ بیانات اسی تذکیر کے لئے ہیں، تذکیر المومنین کا یہ دائرہ اب مزید پھیل گیا ہے، اب بڑے چھوٹے سارے جلسے جلوس اسی تذکیر کے لئے منعقد ہوتے ہیں، جلسے جلوس اگر اصلاح امت کے جذبے سے ہوں اور ان کے انعقاد میں شرعی طور طریق اختیار کیا جائے تو ان سے بلاشبہہ انقلاب برپا ہوسکتا ہے، ہمارا شاندار ماضی اس پر شاہد عدل بھی ہے، تحریک آزادی کے لیے علمائے امت کے جلسے جلوس اسی لئے منزل آشنا رہے ہے کہ ان کا ہر عمل خونِ جگر سے عبارت تھا، امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی طول طویل تقریریں معاشرے کی کایا پلٹ دیتی تھیں، لیکن اب ایسا نہیں ہے۔

اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے ذرہ برابر جھجھک نہیں کہ مسلمانوں کے درمیان انعقاد پذیر دینی محفلوں میں سب سے کامیاب نشستیں جماعت والوں کی ہوتی ہیں، ان کے اجتماعات اور تقریبات اپنے مقاصد میں صد فی صد کامیاب ہیں، ان کے جوڑوں میں جن موضوعات کو اٹھایا جاتا ہے ان پر جماعتی احباب سختی سے عمل درآمد کرتے ہیں، چناں چہ ہر جماعتی دھن کا پورا اور کام کا پکا ہوتا ہے، آپ انہیں ان کے مفوضہ معمولات میں کوتاہ نہیں دیکھ سکتے، جماعت سے وابستہ ہر مسلمان کے لئے ان کے دل نرم و گداز، بلکہ والہ و شیدا ہوتے ہیں، آپ جماعتی مسلمانوں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے امیر کے بتائے ہوئے سارے وظائف اندھے بہرے ہو کر انجام دے رہے ہیں، ملامت گروں کی ملامتیں ان کے لئے کبھی بھی سدِ راہ نہیں بنتیں، لیکن ان کے برعکس غیر جماعتی جلسے اپنی تاثیر چھوڑنے میں یکسر ناکام ہیں، ان کی وجوہات تلاش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کان کی عیاشی سب سے بڑا سبب تو ہے ہی، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اسباب بھی آپ کو نظر آئیں گے۔

اخلاص نیت کا فقدان

انما الاعمال بالنیات یہ مشہور ترین حدیث ہے اور کم و بیش ہر پڑھے لکھے کی زبان پر، اردو میں مثل مشہور ہے: جیسی نیت، ویسی برکت۔ اور یہ حقیقت بالکل ثابت شدہ ہے، مگر افسوس کہ جلسے منعقد کرنے والے کی نیت درست نہیں ہوتی، ان کے دل جذبِ دروں سے عاری ہوتے ہیں، جلسے سے ان کا مقصد معاشرے کی اصلاح نہیں ہوتی، ان کے پیش نظر صرف اتنا ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی بھیڑ اکٹھی کر لی جائے اور علمائے امت سے اپنے وسیع تعلقات کے مظاہرے کر کے اگلے دن اخبارات میں تصویریں چھپوالی جائیں، جلسے میں علماء کی بڑی تعداد دکھا کر زبان حال سے یہ بتایا جاتا ہے کہ ہمارے ہاتھ اس قدر دراز ہیں کہ ہم جسے چاہیں، جہاں چاہیں اپنے اجلاس میں بے تکلف بلا سکتے ہیں۔

مشاعرے بازی

ہمارے جلسوں کی ناکامی کا دوسرا بڑا سبب مشاعرے بازی کا چلن ہے، جلسوں میں خوش گلو اور نامور شعراء کو دعوت دے کر جلسوں کی تاثیر کو موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے، آپ اجلاس میں جائیں تو دیکھیں گے کہ علماء کی تقریروں کے دوران لوگ ادھر ادھر گل چھرّ ے اڑا رہے ہیں، فضول گوئیوں میں اپنے اوقات صرف کرنے میں مشغول ہیں، بہت سے سامعین تو مقررین کے سامنے ہی خراٹے بھی لینے میں کھوئے ہوئے، مگر جوں ہی شاعر کو نعت کے لئے پکارا جائے گا یوں محسوس ہوگا کہ صور پھونک دیا گیا ہے اور لوگ اپنی قبروں سے نکل پڑے ہیں، پوری بھیڑ سمٹ آئے گی اور چوک چوراہوں سے شامیانے کی طرف سامعین بھاگتے دوڑتے نظر آئیں گے، ناظم جلسہ کو دیکھیے تو وہ بھی نعت خواں کے سحر میں مبتلا اور جذب ومستی میں داد وتحسین پیش کرنے میں مصروف، حاضرین پر گلوکاری کا وہ جادو کہ ان کے خزانے کے دہانے کھٹا کھٹ کھل جائیں گے، جلسہ ختم ہوا اور لوگ یہ تبصرہ کرتے نظر آئیں گے کہ انتظامیہ نے اجلاس میں اعلیٰ شاعر کو بلایا تھا، گویا جلسہ نہ ہوا مشاعرہ ہو گیا۔

واعظ گویّے

دینی جلسوں کی روح مارڈالنے میں گویّے واعظوں کا بھی بڑا دخل ہے، چیخنا، چلانا اور منہ سے جھاگ نکالنا ان کا محبوب مشغلہ ہے، اپنی تقریر کے دوران پاسپورٹ ویزا کے بغیر ہی ایران توران پہنچ جائیں گے، کوئی مرکزی موضوع، نہ اس پر ٹھہرنے کی ان میں استعداد پوری تقریر سیکڑوں موضوعات سے لبریز، چٹکلوں اور لطیفوں کی بھرمار، اکثر مقررین کسی نہ کسی مشہور خطیب کے نقال ہوتے ہیں، ایک طویل زمانے سے قاری محمد حنیف مرحوم کی نقالی چل رہی ہے، ادھر عصر حاضر کے بعض زندہ مقررین کی نقل بھی چلنے لگی ہے، پھر آواز میں وہ گرج، پیشانی پر وہ سلوٹیں اور چہرے پر بگاڑ ایسا، معلوم ہو کہ شدید غصے میں کسی سے الجھ

پڑے ہیں اور آج قصہ نمٹا کر ہی دم لیں گے، جسم کی وہ حرکات اور ہاتھ پاؤں کے وہ اشارے کہ کرسی بھی خطرے میں محسوس ہو اور مائیک بھی پناہ مانگے، پورا بدن پسینہ پسینہ، شدید ٹھنڈ میں بھی یوں محسوس ہوگا کہ جناب واعظ صاحب حمام سے ابھی نکل کر آئے ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ فجر کی نماز دوسروں کی بھی ضائع کریں گے اور خود بھی بستر استراحت پر خواب غفلت میں مدہوش، شاید انھیں نہیں معلوم کہ بات خواہ کتنی ہی بھلی کیوں نہ ہو، اگر اسے پیش کرنے کا برحق طریقہ اختیار نہ کیا گیا تو اس میں تاثیر ممکن ہی نہیں ہے۔

بے عمل مقررین

جلسوں کے غیر موثر ہونے کی ایک بڑی وجہ بے عمل مقررین کی کثرت ہے، مقررین وہ ہوتے ہیں جن کی زندگی خود اپنے اقوال کے خلاف ہو، جلسے جلوس میں خیر وخیرات کی تلقین کرنے والے، ذاتی زندگی میں خطرناک حد تک دین بیزار ہوتے ہیں، فارسی کا مقولہ ہے: از دل خیزد بر دل ریزد: دل سے نکلی ہوئی بات دل میں چبھتی اور اپنا اثر دکھاتی ہے، اور یہ تاثیر عملِ صالح کے بغیر ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی، صد حیف کہ ہمارے اکثر مقررین اس وصف سے مکمل محروم ہیں، ظاہر ہے کہ: او خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔

بیان کیسا ہونا چاہیے؟

تقریر و بیان اور وعظ و خطابت اللہ تعالی کی دی ہوئی بڑی نعمت ہے، اس نعمت کا استعمال اگر اچھی طرح اور نیک جذبے کے ساتھ ہو تو ان سے جمعیت سازی کا بڑا کام لیا جاسکتا ہے، حضراتِ انبیاء نے اسی راہ سے انقلابات کی زریں تاریخ لکھی، لیکن خطابت یا بیان ہے کیا؟ ہمارے معاشرے میں خطابت کا مطلب ہے کہ الفاظ آواز کے زیر و بم پر مشتمل ہوں، جملے تسلسلات سے مزین ہوں، ایک سانس میں ہزاروں کلمات ادا کردیے جائیں، دو دو، تین تین گھنٹے مائک پر گرفت رکھیں، جسم کی حرکات وسکنات کسی لڑائی کا منظر پیش کریں، یہ سارے طریقے غلط اور خلافِ سنت ہیں۔

بیان کا مطلب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنیے:البیانُ مِن اللهِ والعِيُّ مِن الشَّيطانِ وليس البيانُ كثرةَ الكلامِ ولكنَّ البيانَ الفصلُ في الحقِّ وليس العِيُّ قلَّةَ الكلامِ ولكِنْ مَن سفِه الحقَّ. (صحیح ابن حبان) بیان اللہ کی نعمت ہے اور عی شیطان کا اثر، بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تقریر طوالت پر مشتمل ہو، بلکہ بیان کا مطلب یہ ہے کہ حق کو خوب اچھی طرح واضح کر دیا جائے، اور عی کا مطلب قلتِ کلام نہیں، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ حق سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی جائے۔

پیغمبر علیہ السلام کے خطبات کی درازی میں سیرتِ رسول کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی تقریروں اور چرب بیانیوں کے قائل نہ تھے، بلکہ انہیں برا سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے تقریر کروائی، پھر حضرت عمرؓ سے، ان کی تقریریں مختصر ہوئیں، پھر ایک تیسرے شخص کو کھڑا کیا، اس نے تقریر کی تو چبا چبا کر تقریر کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور فرمایا: خاموش ہو جاؤ! حدیث کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:خطب رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم خطبةً خفيفةً فلما فرغ من خطبتِه قال يا أبا بكرٍ قمْ فاخطبْ فقصَّر دونَ رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم فلما فرغ من خطبتِه قال يا عمرُ قمْ فاخطبْ فقام فاخطبْ فقصَّر دونَ رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم ودونَ أبي بكرٍ فلما فرغ من خطبتِه قال يا فلانُ قمْ فاخطبْ فشقَّقَ القولَ فقال له رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم اسكتْ أو اجلسْ فإن التشقيقَ من الشيطانِ وإن البيانَ من السحر [مجمع الزوائد]

ایسے خطیبوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ناراض ہی نہیں ہوتے، بلکہ ان کے لیے سخت وعیدیں بھی بیان کرتے:إنَّ من أحبِّكم إليَّ ، وأقربِكم مني مجلسًا يومَ القيامةِ أحاسنُكم أخلاقًا ، وإنَّ أبغضَكم إليَّ وأبعدَكم مني مجلسًا يومَ القيامةِ

الثَّرثارونَ ، والمُتشدِّقونَ ، والمُتفيهقونَ ، قالوا :قد علِمْنا الثرثارونَ والمتشدِّقونَ،فماالمتفيهقونَ؟قال :المُتكبِّرونَ۔(السلسلۃ الصحیحۃ)

کتبِ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی کوئی کمی نہیں، آپ نے کبھی بھی دراز نفس تقریر نہیں کی، آپ کے خطبات مختصر اور جامع ترین ہوا کرتے تھے، آپ کی بڑی سے بڑی تقریر سات یا آٹھ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لے گی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات طیبہ وعظ وتذکیر میں ہی گزری ہے، مگر ہمارے واعظین اور مقررین جیسی طولانی کا کوئی گزر وہاں دکھائی نہیں دیتا، آپ سیرت کی کتابیں کھنگال ڈالیے، خطبات کی طوالت سات آٹھ منٹ سے زیادہ ہرگز نہیں ہوگی، ضرورت ہے کہ اجلاس کے سارے پہلو درست ہوں، تاکہ امت کی اصلاح بہتر طور پر ہو سکے۔

کمالِ فروتنی

جہاں کا عشرت کدہ یقینا حسین، رنگین، موہنی ہے
جو موہ لے دل کو اپنی جانب تو سمجھو نیزے کی وہ اَنی ہے
جبینِ سجدہ حضورِ حق ہے یہی کمالِ فروتنی ہے
اسی عمل سے حریمِ دل میں اجالا کامل ہے روشنی ہے
فریب دینے پہ تل گئے ہیں مجھے جہاں کے حسیں مناظر
کریم تیرے کرم کے صدقے زبان مصروفِ ''یاغنی'' ہے
تپش گناہوں کی تیز تر ہے بہشت کی راہ پُر خطر ہے
بس اب تو رحمت پہ ہی نظر ہے نہ کوئی چھایا نہ چھاؤنی ہے
خدا کی رحمت بشکلِ جنت قریب مجھ سے ہوئی جو عارفؔ
زباں پہ آیا صَدَقْتَ ربّی وَھٰذِہٖ ما وَعَدْتَنِی ہے

کلام: حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد، مئو یوپی

چوتھی وآخری قسط

دور اندیش اور صاحبِ نظر کون تھا؟

مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب و نظام تعلیم پر ایک تحریر

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

(۱) اِس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ ''ہمارے اِن مدارس کی اصل: جامعہ قرویین، یا جامعہ ازہر، یا بغداد و قرطبہ کی درسگاہیں ہیں''۔

حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اِن مدارس کا اصل سلسلۂ نسب ''دارِ اَرقم'' اور ''صفہ'' کے مدرسوں اور ''خیر القرون'' کی اُن درسگاہوں سے ملتا ہے، جہاں نہ یونان کا فلسفہ تھا، نہ یورپ کی سائنس، نہ اِیران کی مادی ترقیات موضوعِ بحث تھیں، اور نہ روم کی قوت وشوکت۔

بلکہ وہاں کے اصل موضوعات: تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب، تلقینِ حکمت (دستورِ حیات)، تزکیۂ نفوس، تطہیرِ قلوب، دعوت الی اللہ، تبلیغِ اَحکام، تحلیل وتحریم اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ شرعی اُمور تھے، ان مدارس میں نہ تو میڈیکل کالج تھا، نہ انجینیئرنگ کالج، نہ سائنس فیکلٹی تھی، نہ ٹیکنالوجی کا کوئی سلسلہ۔

تو دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور اور ان کے مبارک سلسلے کے مدارس ومکاتب کے نصاب ونظام کی اصل (**الإسلام بدأ غريباً، وسيعود كما بدأ غريباً، فطوبى للغرباء** کے پیشِ نظر) ''خیر القرون'' کی اِن درسگاہوں میں، پھر کوفہ میں امام ابوحنیفہ، مدینہ منورہ میں امام مالک، مصر میں امام شافعی، بغداد میں امام احمد اور اسی طرح عالمِ اسلام کے دیگر فقہاء، محدثین، اور صوفیہ رحمہم اللہ کے مدرسوں میں تلاش کرنی چاہیے۔

قرویین وقرطبہ وغیرہ کی درسگاہیں: ایک تو خیر القرون کے بعد کی مثالیں ہیں۔

دوسرے: وہ ایک خودمختار اِسلامی حکومت کی دینی اور دنیاوی دونوں ضرورتوں کے پیشِ نظر، انہی حکومتوں کی سرپرستی میں تھیں۔

تیسرے: دین کی اس کی اصل شکل میں حفاظت کا مدار صرف انہی پر نہیں تھا، بلکہ فلسفہ وسائنس اور دیگر دنیوی فنون کی تعلیم سے یکسو؛ ہر زمانے اور ہر علاقے میں ایسے تعلیمی سلسلے بھی موجود رہتے تھے، جن کا موضوع صرف اور صرف ''قال اللہ وقال الرسول'' ہوتا تھا۔

جب کہ اِس زمانے میں پوری دنیا میں (بالعموم، الا ما شاء اللہ) سوائے دینی مدارس کے نصاب کے، خالص دینی علوم کی (اُن کی اَصل شکل میں) حفاظت واشاعت کے مدرسے اور سلسلے باقی نہیں رہ گئے، ایسے میں اس نظام میں کسی اور طرح کی آمیزش انتہائی خطرناک اور مضر ہوسکتی ہے۔

جب تک ریاستی پیمانے پر اِسلام کی اُس کی اصل شکل میں حفاظت کی ضمانت کا کوئی معقول ومعتمد انتظام نہ ہوجائے، جب تک دین ودنیا کا اختلاط وامتزاج، ہمارے اکابر کے نزدیک، مدارس اسلامیہ کے اصل مقاصد کے اعتبار سے، باعثِ نفع ہونے سے زیادہ، موجبِ ضرر ہے۔

اَب تک کے تجربہ سے اندازہ ہوا کہ جو لوگ سائنس وانگریزی وغیرہ کے داخلِ نصاب کرنے کا مشورہ دیتے ہیں یا تو ہمارے نصاب کے بنیادی مقاصد اُن کے پیشِ نظر نہیں ہوتے، یا وہ موجودہ سائنسی اِلحاد کی حقیقت، اُن کے مناشی، مقاصد اور زہریلے اثرات کا اندازہ نہیں رکھتے، انگریزی وغیرہ سے پیدا ہونے والے فکری وتمدنی جراثیم کی شناخت نہیں رکھتے، اور یہ بات سمجھنے کی ہے کہ بغیر تریاق دریافت کیے ہوئے زہر منھ میں ڈالنے کی جرأت کسی طرح بھی دانش مندی کی علامت نہیں ہوسکتی۔

شیخ الحدیث حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمۃ نے ''آپ بیتی'' ۱/۲۰۷ تا ۲۱۳ میں اِس موضوع پر نہایت اہتمام سے گفتگو فرمائی ہے، اور اِن دینی مدارس کے لیے مضر چیزیں نہایت

تفصیل کے ساتھ شمار کرائی ہیں، جن میں: نصاب کی تبدیلی، تعلیمِ انگریزی وہندی، اخبار بینی، جلسہ بازی، مجلس سازی اور حرفت وصنعت وغیرہ کا بطورِ خاص ذکر آیا ہے، جو قابلِ ملاحظہ ہے۔

(۲) اِسی طرح بہت سے حلقوں میں آپسی اِختلافات اور تنازعات کا منشا دینی مدارس کے نصابِ تعلیم، اور اُن میں پڑھائے جانے والے حنفی شافعی اِختلافات کو قرار دیا جاتا ہے، حالاں کہ ہمارے مدارس کی بنیاد ہی ائمۂ اسلام اور سلف صالحین کی محبت وعظمت اور ادب واحترام پر قائم ہے، یہ سوچنا چاہیے کہ جب دارالعلوم دیو بند/مظاہر علوم سہارنپور اور اُن کے منہج کے مدارس نہیں تھے جب بھی تو اُمت میں اِختلاف وانتشار ہوتا تھا، دورِ صحابہؓ وتابعین میں روافض، خوارج، نواصب، قدریہ، جبریہ، مرجئہ، کرامیہ، معتزلہ وغیرہ جو فرقے پائے جاتے تھے، اُن کی بنیاد کیا تھی؟ دینی مدارس؟ تقلید؟

دراَصل یہ سب غیروں سے چلے ہوئے جملے ہیں، یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم نے اِختلاف اور تفرقہ کی ذمہ داری دین (کتاب وسنت اور شرعی اُصول) سے اور دینی تقاضوں سے اِنحراف کرنے والوں کے سر رکھی ہے، اُن پر استقامت اِختیار کرنے والوں پر نہیں۔

(۳) یہاں ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جب اہل مدارس صرف ’’حفاظتِ دین‘‘ کی ذمہ داری لے کر، اپنے مدرسوں میں یکسو ہو جائیں گے تو قوم کے اُن باقی ۹۵/۹۶ فی صد بچوں کے دین وعقیدے کا کیا ہوگا، جن کے لیے اپنی اور اپنی قوم دونوں کی، معاشی اور معاشرتی ضرورتوں کے تحت، دنیاوی تعلیم کا حاصل کرنا ناگزیر ہے، وہ مدرسوں کے موجودہ نصاب ونظام میں شامل نہیں ہوسکتے، اور اہل مدارس اُن کی دینی تعلیم وتربیت کا الگ سے کوئی دوسرا معقول بندوبست کرتے نہیں، تو ان کے دینی مستقبل کا کیا ہوگا؟

یہ سوال بہت اہم اور حساس ہے، مگر مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں اس کا جواب بھی بہت واضح ہے، وہ یہ کہ علمائے کرام کی اصل اور بنیادی ذمہ داری تو صحیح شرعی اُصول

کے مطابق لوگوں کے دین کی حفاظت ہے،جس کے لیے ہر ہر گاؤں اور بستی، بلکہ ہر ہر مسجد میں مکاتب کا قیام، اور بچوں کی (معیاری) دینی تعلیم کا نظم کرنا، اُن کا فرض منصبی ہے، اور آگے قوم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اُن مکاتب اور مساجد میں داخل کرائیں، اور ان کے دین وعقیدے کی اور نجاتِ آخرت کی فکر کریں۔

اَب اگر علماء (بحیثیتِ مجموعی) اپنے اِس فرضِ منصبی میں کوتاہی کر رہے ہیں، اور ہر علاقے میں پہنچ کر نونہالانِ امت کے لیے مکاتب کا قیام نہیں کر پا رہے ہیں، اور ان کی معیاری دینی تعلیم وتربیت کا بندوبست نہیں کر پا رہے ہیں، تو یہ یقیناً کوتاہی ہے، اور قابلِ اصلاح ہے۔

مگر اعتراض اِس پہلو سے کرنا کہ جب قوم کے بچے ''دینی مکاتب'' میں آتے نہیں، تو پھر علماء کو ''نرسری اسکول'' اور ''انگلش میڈیم اسکول'' کھول لینا چاہیے، اور ''مشنریوں'' کے طریقے پر بچوں کی تعلیم کا نظم کرنا چاہیے، یہ کسی بھی طرح درست نہیں۔

ہم کسی بھی دینی، تبلیغی اور اصلاحی کام کو شریعت، دینی اصول اور اسلامی طریقے کے مطابق کرنے کے پابند ہیں، مطلق کام مقصود نہیں ہے، بلکہ شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے، تشبُّہ بالغیر کا مسئلہ صرف عقائد وعبادات ہی میں نہیں ہے، بلکہ درجہ بدرجہ زندگی کے تمام شعبوں سے اس کا تعلق ہے، جیسا کہ ''**من تشبه بقوم فهو منهم**'' اور ''**ومن يبتغ غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه**'' کا عموم اِس پر واضح دلیل ہے۔

اِس لیے ایک مستند اور صحیح الفکر عالمِ دین اور دینی مقتدا کو غیروں کے طریقہ پر اکیڈمی اور اسکول کا کام کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

علماء (اور مکاتب ومدارس کے اساتذہ) سے یہ شکایت تو بجا ہوسکتی ہے کہ وہ دینی تعلیم اُس کے مطلوبہ معیار پر نہیں دے پا رہے ہیں، مگر اِس کوتاہی پر یہ ردِّ عمل کہ اس کو چھوڑ کر، غیروں کی تعلیم دینے لگ جائیں، یا نعوذ باللہ ان کی تہذیب اور طریقہ اختیار کرلیں، یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔

اُمت کے اِس اہم اجتماعی مسئلہ کا درست حل یہ ہے کہ اہل علم (اور حفاظ و مدرسین) تو اپنی اپنی حیثیتوں اور دائرۂ کار کے اعتبار سے، خالص معیاری دینی تعلیم کی فکر فرمائیں، اور قوم کے دیگر ہمدرد اور فکرمند حضرات آگے بڑھ کر، بچوں کے لیے ایسے دنیاوی اِدارے قائم فرمائیں جن میں عقیدہ وعمل کی حفاظت کی ضمانت ہو۔

وہ اہل علم جن کو دینی مقتدا کی حیثیت حاصل ہے، وہ مشائخِ عظام، مفتیانِ کرام، ائمۂ مساجد، اور مدرسینِ مکاتب جن پر قوم کی دینی رہنمائی کی ذمہ داری ہے، وہ ایسے اداروں کے براہ راست منتظم نہ بنیں، اِس لیے کہ تجربہ یہی ہے کہ ایسے اِداروں میں کچھ ایسے اُمور کا اِرتکاب کرنا پڑتا ہے جو شرعاً ممنوع، ناپسندیدہ اور دینی ثقاہت ومروت کے خلاف ہوتے ہیں، ''ثقہ'' قسم کے لوگوں کے شایان شان نہیں ہوتے، جب کہ ہمارے ہاں یہ اُصول مسلّمات میں سے ہے کہ دِین: ''ثقہ'' اور ''مستند'' لوگوں سے ہی حاصل کیا جائے۔

اِس لیے یہ حضرات براہِ راست تو اِس طرح کا کام حتی الامکان نہ کریں، ہاں اِن حضرات کی روحانی سرپرستی، علمی وعملی مشورے اور شرعی رہنمائی کے ساتھ، قوم کے دیگر حضرات: ملت کی اِس اہم ترین معاشی ومعاشرتی ضرورت کی تکمیل کے لیے کھڑے ہوں، اور نرے عقلی منصوبوں اور جذباتی تقاضوں کے بجائے، حسبِ استطاعت شرعی اُصول کی روشنی میں ایک دوسرے کے تعاون سے کام کرنے کی کوشش کی جائے، ''کام ہمیشہ ربط سے ہوتا ہے، خلط سے نہیں''۔

حاصل یہ کہ دنیا کے ساتھ ساتھ اِن بچوں کے دین کی بھی حفاظت کی فکر، مدارس سے الگ نصاب ونظام قائم کرکے بھی کی جاسکتی ہے، اس میں نہ مدارس کو چھیڑنے کی ضرورت ہے، اور نہ ان پر اس پس منظر میں کسی تنقید وتبصرے کی۔

تجدد پسندوں کا تو شروع ہی سے یہ وطیرہ رہا، اور اَب اُن سے متاثر اہل علم کا بھی سب سے پسندیدہ موضوع ''دینی مدارس کے نصاب ونظام پر بے سوچے سمجھے اعتراض اور تعریض'' ہوگیا

ہے، حالاں کہ یہ نہیں دیکھتے کہ اَب تک جن اکابر اور روحانی شخصیات کے ذریعہ دین کی حفاظت و اِشاعت ہوئی وہ سب اِسی نظامِ تعلیم کے فیض یافتہ اور پروردہ ہوئے ہیں، اگر کبھی اُن میں سے کسی نے نصابِ تعلیم سے متعلق کوئی جملہ ایسا کہا بھی ہے تو وہ جزوی اِصلاح پر محمول کیا جائے گا، نہ کہ پورے نظام سے بغاوت اور پورے سلسلہ کی بیخ کنی پر، جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے مولانا عبدالحی لکھنویؒ (معتمد ندوہ) کے مکتوب کے جواب میں اِس کی صراحت فرمائی ہے۔

آخری بات: گذشتہ صفحات میں دینی مدارس کے نصاب و نظام سے متعلق پیش کی گئی دفاعی معروضات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارے اِن مدارس میں کسی طرح کی اصلاح و تجدید کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ ہر طرح کی تنقید اور محاسبہ سے بالاتر ہیں، ایسا ہرگز نہیں، اِس وقت تو مدارس کو اپنے نصاب و نظام، اور طریقۂ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں فوری طور پر از خود سخت محاسبہ اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

مگر اس میں تجدید کی جائے، کہ اُن کو عام طلبہ کی ذہنی سطح کی رعایتوں کے ساتھ، ان کے اصل خالص دینی، علمی، عملی، تعلیمی، تربیتی اور روحانی نظام پر واپس لے جایا جائے، تجدد نہیں، کہ موجودہ شور ہنگاموں سے مرعوب و متاثر ہو کر، مادی ذرائع اختیار کر کے، اُن کی روح ہی نکال دی جائے۔

واللہ الموفق وھو المستعان، ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

ایصالِ ثواب ودعائے مغفرت کی درخواست

مؤرخہ: ۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۴۰ھ/ مطابق ۱۷ ؍فروری ۲۰۱۹ء بروز یکشنبہ بندہ کے حقیقی ماموں محترم جناب ماسٹر محفوظ الرحمن محمد آبادی کا اچانک انتقال ہو گیا ہے **انا للہ وانا الیہ راجعون**، مرحوم علم و ادب سے شغف رکھنے والے نیک طبیعت انسان تھے، تمام قارئین سے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

عبداللہ خالد قاسمی خیر آبادی مرتب ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور

نشہ اور خودکشی کا بڑھتا رجحان اور خیرِ امت کی خاموشی

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی

سال گذشتہ بہ ظاہر دو معمولی واقعات کی رپورٹنگ ہوئی، جو امت مسلمہ کے خصوصاً اور عالمِ انسانیت کے لیے عموماً وجہ تشویش ہے۔

پہلی خبر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں کسی طالب علم کی پہلی خودکشی سے متعلق ہے۔ تفصیلات کے مطابق طالب علم انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور غیر مقیم ہندوستانی تھا، ایک امتحان میں ''بیک'' (اعادۂ سال) ہونے کی وجہ سے انتہائی دل برداشتہ تھا، گھر کے دباؤ یا ساتھیوں سے شرمندگی کے احساس سے مغلوب ہو کر خودکشی کا فیصلہ کرلیا مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور ہاسٹل ہال کی چھت پر چڑھ کر پٹرول چھڑک کر آگ لگالی، جب تک دوسرے طلباء پہنچتے بدقسمت طالب علم ستر فی صد سے زائد جل چکا تھا، بعد میں دہلی کے اسپتال میں طالب علم کا انتقال ہو گیا۔

دوسری خبر N.D.T.V. پر پیش کیے گئے دستاویزی پروگرام سے ہے، جس کے مطابق دہلی کے مسلم اکثریتی غریب علاقہ سیما پوری میں نشے کے جال میں پھنستی مسلم نئی نسل کے احوال و بستی میں ہو رہی نشہ آور ادویہ، شراب کی بڑھتی لعنت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

یہ پروگرام دیکھنے کے لیے بڑے دل گردہ کی ضرورت تھی کس طرح گندگیوں کے ڈھیر، گندی نالیوں اور تعفن زدہ مکانوں میں نوخیز مسلم بچے انجکشن لگا رہے ہیں، ماں، باپ، بھائی، بہن، بیویاں، بچے رو رو کر تباہی اور بربادی کی داستان بیان کر رہے ہیں؛ مگر نشہ کے شکار نوجوان اپنے مستقبل سے بے پرواہ، بے ہوش اپنی دنیا میں مست گندگیوں میں پڑے ہوئے تھے، کئی

خاندانوں میں پسماندگان نے بتایا کہ کس طرح ان کے بیٹے، شوہر نشہ کا شکار ہوگئے اور یہ حال کسی دورافتادہ گاؤں یا شہر کا نہیں، راجدھانی دہلی کے محلہ کا ہے جہاں ہر بڑی چھوٹی دینی ملی جماعت کا مرکزیا آفس ہے، بڑی بڑی درگاہیں اور صوفیاؤں کی خانقاہیں ہیں، بڑے بڑے رفاہی ادارے ہیں؛ مگر ان سب کے وجود کا اس بستی پر کوئی اثر نہیں آیا، خودکشی اور نشہ کی لت اس وقت پوری دنیا میں وبا کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، پورے پورے خطے نشہ آور ادویہ کی زد میں ہیں۔

مسلم ممالک ایران، افغانستان، پاکستان، سعودی عرب سب نشہ کی روزافزوں لعنت کی گرفت میں ہیں، مسلم معاشرہ یا ممالک کے علاوہ غیر مسلم مقامی معاشرہ یا مغربی معاشرہ سب کے سب نشہ اور خودکشی دونوں کی لعنت میں تیزی سے گرفتار ہورہے ہیں۔

اگر یہ مسئلہ صرف غریب، کم پڑھے لکھے یا جاہل معاشرہ کا ہوتا تو ہم اس کو کم تعلیم، بیروزگاری، وسائل کی کمی، غربت سے جوڑ کر دیکھ سکتے تھے؛ مگر اعداد وشمار اور روزانہ کے واقعات بتارہے ہیں کہ سماج کا ہر طبقہ اس سے یکساں طور پر متاثر ہے، اوسط کا کچھ فرق ہوسکتا ہے، مثلاً ہندوستان میں پنجاب ہر لحاظ سے خوشحال ریاست ہے؛ مگر نشہ نے پوری ریاست کو جس بری طرح جکڑ رکھا ہے وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ حالیہ اسمبلی الیکشن میں نشہ کا موضوع بہت اہم تھا اور اکالی، بی جے پی سرکار اس کے لیے ذمہ دار بتائی جارہی تھی، وہیں کیرل کی ریاست ملک کی سب سے زیادہ خواندگی والی تقریباً صد فی صد خواندہ ریاست مانی جاتی ہے، مالی حالات بھی بہار، بنگال اور یوپی جیسے برے نہیں ہیں، پھر بھی ملک گیر اعداد وشمار میں خودکشی کے واقعات سب سے زیادہ اسی ریاست میں ہورہے ہیں، پھر ان حالات کی توجیہ وتوضیح کیسے کی جاسکتی ہے؟

دونوں موضوعات پر دنیا بھر میں بحث ومباحثہ، غور وخوض، تجربہ چل رہا ہے، عموماً دنیاوی اسباب جو گنائے جارہے ہیں، ان میں بے روزگاری، آمدنی کی کمی، جہالت اور بکھرتا انسانی معاشرہ، انسانی رشتہ وروابط میں محبت اور غمگساری کا کم ہوتا رجحان اہم مانے جارہے ہیں، سماج کے مختلف طبقات کی بات کریں تو نوجوان لڑکے لڑکیاں، طالبِ علم، خواتین اور

کسان مختلف الگ الگ وجوہات کی بنا پر خطرات میں زیادہ پھنس رہے ہیں؛ مگر یہ تجربات اوران کی بنا پر پیش کیے جانے والے حل دونوں ہی اکثر وبیشتر غلط ثابت ہو رہے ہیں؛ کیوں کہ دنیا میں رائج نظریات اوران کی بنا پر تعمیر کیا گیا انسانی معاشرہ مطلقاً کائنات کے خالق ومالک کواوراس کے ذریعہ کی گئی رہنمائی سے انکاراور مخالفت پر مبنی ہے۔

اور یہ فساد عقیدہ کا بھی ہے اور عمل کا بھی؛ اسی لیے اس کے مظاہر گونا گوں طریقہ سے ظاہر ہورہے ہیں، مادی دنیا میں جہاں ماحولیات اورآلودگی، ارضی درجۂ حرارت کی خطرناک بڑھوتری، موسموں کا غیر یقینی ہونا، سمندر کی سطح کا بلند ہونا اور سطح سمندر پر درجۂ حرارت بڑھنا جیسے مظاہر ظاہر ہورہے ہیں۔

سماجیات کی دنیا میں مذکورہ بالا مسائل خودکُشی اور نشہ آور اشیاء کا استعمال انسانی معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہا ہے، آج بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے کان میں اچھے اسکول، حقِ تعلیم، اچھا کیرئیر، بہتر مستقبل ہی واحد مقصدِ زندگی کے طور پر گھولا جاتا ہے، پورے معاشرہ اور سرکار کی کوشش اسی کے گرد گھومتی ہے، زندگی کے متعلق اس نظریہ کو قرآنِ پاک میں اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ ”یہ کہتے ہیں کہ دنیا کی زندگی ہی ہماری زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے، دراصل انھیں اس کا کچھ علم ہی نہیں ہے، یہ صرف قیاس اور اٹکل سے کام لے رہے ہیں۔“ (الجاثیہ:۲۴)

آج مختلف حیلہ بہانوں سے عقیدہ کی گرفت کمزور کی جارہی ہے، جس کی وجہ سے انسان اندر سے کمزور ہورہا ہے اور مجموعی طور پر سماج صرف ”نفع“ اور ”فائدہ“ کے اصول کے تحت زیادہ سے زیادہ ”خودغرض“ اور انفرادیت پسند ہورہا ہے، اب وہ سماج کے تئیں اپنی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتا ہے۔

امتِ مسلمہ بھی آج عقیدہ کی کمزوری میں بُری طرح مبتلا کی جارہی ہے، عقیدہ کو مراسمِ عبودیت تک محدود کیا جارہا ہے، اس کے باوجود ان دونوں بیماریوں سے یہ امت کافی حد تک محفوظ تھی اوراب بھی نسبتاً دوسری اقوام سے حالات بہتر ہیں؛ کیوں کہ اللہ پر بھروسہ، دنیا کے فانی ہونے کا عقیدہ اورآخرت

کی زندگی اور حساب و کتاب پر ایمان اور وہاں کی کامیابی کا عقیدہ، ''جو آگ سے ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوگیا اور یہ دنیا کی زندگی دھوکہ کا سامان ہے'' (آل عمران:۱۸۵) کا وہ عقیدہ ہی انسان کا وہ سہارا ہے جو اسے مایوسیوں اور ناکامیوں کی انتہاؤں میں بھی انسان کا حوصلہ بلند رکھتا ہے۔

ہمارے ملک میں سماجی تحفظ کے نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اگر ہے تو اونٹ کے منھ میں زیرہ جیسی بھی نہیں ہے، عوامی فلاحی بجٹ مستقل کم کیا جارہا ہے، خوراک، دوا، علاج، مکان، تعلیم لگاتار سب مہنگے ہورہے ہیں، اگر گھر میں اچانک حادثہ یا بیماری یا تعلیمی خرچ آجائے تو سود پر قرض لینے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، سرکاری اسپتالوں میں ہر سہولت کی فیس مقرر ہوگئی ہے، تعلیمی بجٹ لگاتار کم ہورہا ہے، تعلیمی قرض کا حجم لگاتار کم ہورہا ہے، پرائیویٹ بینک تعلیمی قرض کا حجم پچیس فی صد سے پانچ فی صد پر لے آئے ہیں، یہ بات ۲۳/ جولائی ۲۰۱۷/ کو شائع شدہ مضمون میں پی چدمبرم نے لکھی ہے۔

اچانک بیماری، موت یا حادثہ اور بے روزگاری نشہ اور خودکشی کی بڑی وجہ ہے، جس میں خاندان کا تانا بانا بکھر جاتا ہے، سرکار کی ''بیوہ پنشن'' کی مقدار اتنی ہوتی ہے کہ اس سے آدھا کیلو دودھ ماہانہ لینا بھی مشکل ہے، پھر ان سب کو حاصل کرنے کے لیے لمبی چوڑی سرکاری کارروائی، پٹواری، لیکھ پال، انسپکٹر کے چکر اور کمیشن، سب مل کر بہت مایوس کرنے والا ہوتا ہے، طالب علموں پر زبردست ذہنی دباؤ، جس کی وجہ سے وہ مستقل زبردست تناؤ کی حالت میں رہتے ہیں اور قرار یا سکون کے لیے ڈرگس کے چکر میں آرہے ہیں۔

یہ کہانی ہر چھوٹے بڑے اسکول، میڈیکل کالج اور ریسرچ اسکالروں کی ہے، کوٹہ میں ہونے والی خودکشی کی روز افزوں واردات اور خودکشی کی شرح اموات کے پیچھے یہی احساسِ ناکامی یا اندیشۂ ناکامی پایا جاتا ہے۔

ایک اور بڑی وجہ سماج میں صارف کلچر کی بے پناہ طلب اور ہوس بھی ہے، جہاں گھر کے مکھیا پر گھر کے لوگوں کا ہَلْ مِنْ مَزِیْد کا نعرہ ہے، جس کی وجہ سے نشہ، کرپشن اور انجام کار خودکشی کے واقعات ہر

معاشرہ میں تیزی سے بڑھ رہے ہیں، وجوہات الگ الگ ہوسکتی ہیں؛ مگر نتیجہ یہی فرار اور مایوسی ہے۔

یہ بات تو طے ہے کہ دنیا میں نافذ نظامِ حیات یہ اور اس کی طرح کے مظاہر فساد فی الارض روکنے میں ناکام ہیں اور رہیں گے؛ کیوں کہ یہ ان کے دماغوں کی اُپج ہے، جن کا انسان اور کائنات کے بارے میں علم ناقص، ادھورا اور تغیر پذیر ہے، یہ آج کچھ قانون بناتے ہیں کل اس کے الٹا قانون بناتے ہیں، مثلاً جب نشہ کی لت کو روک نہیں پائے تو اُسے جرم کی فہرست سے ہی خارج کر دیا، خودکشی پہلے ہمارے ملک میں جرم تھی، اب اس مسئلہ کو ایسے حل کیا کہ اسے جرم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا، اس طرح مانگ اٹھ رہی ہے کہ سٹہ، جوا بھی جرم کی فہرست سے خارج کر دیا جائے، اس کے برعکس الٰہی رہنمائی میں قوانین اس خالق کی طرف سے بنائے گے ہیں جس نے انسانوں کو تخلیق کیا ہے جو انسانوں کو اور ان کی ہر طرح کی ضروریات کو پورا کرنے والا اور نشوونما دینے والا رب العالمین ہے، اس نے ایک طرف عقیدۂ آخرت، تقدیر پر بھروسہ، اللہ پر توکل اور دعا ومناجات کے ذریعے انسانوں کے قلوب کو ہر طرح کی مصیبت اور آزمائش کے لیے مضبوط بنایا، ان کو زندگیوں کو سادہ بنائے رکھنے کی تلقین، ''اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل'' کے تحت انسانوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے اور صرف کرنے کی خواہش پر لگام لگایا۔

دوسری طرف زکوٰۃ اور بیت المال کے نظام اور حقوق العباد کی زبردست ترغیب اور نظم کے ذریعہ سماج کے ہر فرد کو دوسرے فرد کے ذریعہ مضبوطی عطا کی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مفہوم) تم مال چھوڑ کر گئے تو مال تمہارے وارثوں کا اور اگر ذمہ داری چھوڑ کر گئے تو وہ میری یعنی (اسلامی ریاست) کی ذمہ داری ہے، جس طرح سے زکوٰۃ کو عبادات میں شامل کر کے فرض قرار دیا گیا اور اس کے لیے اوپر سے نیچے تک ایک نظم بنایا گیا اور سود کو حرام قرار دیا گیا، اگر صرف یہ دو چیزیں ہی اپنالی جائیں تو بیروزگاری، نشہ، خودکشی، گداگری اور کرپشن سب پر قابو پایا جاسکتا ہے؛ مگر آج صورتِ حال یہ ہے کہ مسیحا آپ

خود بیمار ہے وہ عقیدہ کے محاذ پر بھی کمزور اور بیمار ہورہا ہے اور عملاً زکوٰۃ، صدقات اور سماجی فلاح کے کاموں سے بھی دور ہورہا ہے؛ بلکہ ان کو دھندا بنالیا ہے۔

آج اگر گلی گلی، محلہ محلہ زکوٰۃ کا نظم ہو غریبوں، بیماروں، طالب علموں، بے روزگاروں کی خبر گیری ہو، ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش ہو، ان کی ہنگامی ضرورتیں پوری کرنے کا نظم ہو تو مایوسی اور ناکامی کیوں ڈیرا جمائے گی؟ امتِ مسلمہ کو حالات کی سنگینی کو سمجھ کر اپنے وسائل اور افرادی طاقت کو استعمال کرنا ہوگا۔

ایک طرف عقیدہ کی مضبوطی، دنیا اور آخرت کی حقیقت اور حقیقی کامیابی کے الٰہی پیمانہ عام کرنے ہوں گے۔ جس عقیدہ کو ہم رٹاتے ہیں اسے سمجھانا بھی ہوگا۔

دوسری طرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ سماج میں فحش ومنکرات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

تیسری طرف زکوٰۃ، صدقات کے محلہ واری نظم کو منظم کرنا ہوگا، آخر قوم آج بھی اربوں روپیہ زکوٰۃ ادا کررہی ہے، پھر بھی مجبوری اور محرومی کیوں؟ ہمارے بچوں اور نئی نسل کو خودکشی، جرائم اور نشہ میں مبتلا کررہی ہے؟ ہونا یہ چاہیے کہ یہ خیرِ امت دوسروں کی رہنمائی کرتی، ان کی دادرسی کرتی، ان کی مشکل کشائی کرتی؛ مگر یہ خود انھیں امراض میں مبتلا ہوکر خدا اور رسولِ خدا کی رسوائی کا باعث ہے، ہمیں دنیا اور آخرت میں عزت اور کرامت چاہیے تو اپنا خیرِ امت کا کردار ادا کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

جھوٹ کا ایک بڑا نقصان

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک عمر میں برکت کا سبب بنتا ہے اور جھوٹ بولنا رزق میں کمی کا سبب بنتا ہے اور دعا تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے۔ ’’**اَلْکِذْبُ یَنْقُصُ الرِّزْقَ**‘‘۔ (روح البیان، ۹/۲۳۴، سورۃ القمر)

آسان شادی

مولانا محمد منصور احمد

آج کل ہر سمت شادیوں کا موسم چل رہا ہے، اسلام ایسے مواقع پر خوشی کے جائز اور حدود کے اندر اظہار سے منع نہیں کرتا بلکہ اعلانیہ نکاح اور ولیمہ مسنونہ کا حکم تو اسی لیے ہے کہ ہم اپنے عزیز واقارب اور اردگرد رہنے والے مسلمانوں کو بھی اپنی خوشی میں شریک کریں لیکن آج کل شادی کے نام پر مختلف مراحل میں جو کچھ ہوتا ہے، سب کو راضی کر کے اپنے رب جل شانہ کو ناراض کیا جاتا ہے، فضول خرچی اور دیگر بے شمار گناہوں کا اعلانیہ ارتکاب کیا جاتا ہے، یہ بالکل وہ ہی صورت حال بن جاتی ہے، جسے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! آج کل کی منگنی قیامت صغریٰ اور شادی قیامت کبریٰ ہوتی ہے۔

ہاں! یہ قیامت مسلمانوں کی من گھڑت رسوم ورواج اور بے تکی حرکتوں کی وجہ سے ہے ورنہ اسلام میں تو نکاح ایک عبادت ہے۔ بڑی بابرکت اور رحمت بھری عبادت۔ کوئی مشکل نہ زحمت۔ سہولت ہی سہولت۔ راحت ہی راحت۔ تکلیف بھرے تکلفات سے پاک، گناہوں کی آلائش سے صاف، اب خود اندازہ کرلیں کہ کہاں قیامت اور کہاں عبادت، ہم نے دنیا کو دکھانے اور اپنی ناک کو بچانے کیلئے کیا سے کیا کردیا، اور ایک آسان سے کام کو کتنا مشکل اور کٹھن بنا ڈالا ہے۔

یہ ناک بھی عجیب چیز ہے، انسان اس کو بچانے کیلئے کتنی اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے لیکن یہ پھر بھی خاک آلود ہوجاتی ہے، تب انسان برسوں ناک رگڑتا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہیں بنتا اور وہ یہ ہی سمجھتا رہتا ہے کہ میری تو ناک ہی کٹ گئی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح انتہائی سادگی سے حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت جی مولانا

انعام الحسنؒ سے کروادیا، نکاح پڑھانے والے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے، کاندھلہ سے حضرت شیخ الحدیث کی برادری کے کوئی صاحب جب سہارنپور آئے تو حضرت شیخ الحدیثؒ سے باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ جی! لوگ یوں کہتے ہیں کہ زکریا نے تو ہماری ناک ہی کٹوادی، حضرت شیخ الحدیثؒ نے اُنہیں قریب بلایا اور بڑی متانت سے فرمایا: بھئی! خوب اچھی طرح دیکھ لو، میری ناک تو کٹی نہیں، کسی اور کی کٹی ہو تو مجھے پتہ نہیں۔

بھلا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والوں اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو زندہ کرنے والوں کی بھی کبھی ناک کٹی، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں تو اُن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ''سارا جہاں خفا ہو جائے پرواہ نہ چاہیے''، جب سب دوست، احباب، قبیلے، برادری کو خوش کر رہے ہوتے ہیں تو تب بھی اُن کی سوچ یہی ہوتی ہے کہ ہمارا خالق و مالک ہمیں پیدا کرنے والا، ہمیں ہر دم اپنی نعمتوں میں رکھنے والا، ہمیں خوشی اور مسرت کے یہ مواقع عطا کرنے والا رب ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔

دنیا میں ہر شخص اپنے لیے نمونہ اور آئیڈیل تلاش کرتا ہے، پھر ہر مسلمان جانتا ہے کہ سب سے کامل ومکمل نمونۂ عمل سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے، تو کیوں نہ ہم شادی بیاہ کے موقع پر بھی خود دیوانے ہونے اور دوسروں کو دیوانہ کرنے کے بجائے اُسی کو اپنا لیں۔

جب حضرت علیؓ کا نکاح سیدہ فاطمہ زہراءؓ سے طے ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا اے انس! جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور انصار کی ایک جماعت کو بلا کر لاؤ (رضی اللہ عنہم اجمعین) جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حضرت بی بی فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ کے ساتھ کر دیا اور مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (تقریباً پانچ سو درہم جو آج کل کے اعتبار سے ایک سو اکتیس تولے تین ماشے چاندی بنتی ہے) مقرر فرمایا اور ایک طباق میں تھوڑے سے چھوارے رکھ کر حاضرین کو پہنچائے، اس کے بعد حضرت ام ایمنؓ سے فرمایا کہ تم فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے گھر پہنچا دو، حضرت ام

ایمن اپنے ہمراہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو حضرت علیؓ کے گھر پہنچا کر آ گئیں، یہ دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی رخصتی ہے جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو جہیز کے طور پر یہ چیزیں دی تھیں، ایک پلودار چادر، ایک مشکیزہ، ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔(سنن نسائی)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ اس حدیث پاک کی تفصیل میں لکھتے ہیں، ہمارے ملک کے اکثر اہل علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر ''جہیز'' کے طور پر دی تھیں، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو ''جہیز'' کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج بلکہ تصور بھی نہیں تھا اور ''جہیز'' کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا، اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلہ میں بھی کہیں کسی قسم کے ''جہیز'' کا ذکر نہیں آیا، حدیث کے لفظ ''جہیز'' کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں بلکہ ضرورت کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علیؓ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور انہی کے پیسوں سے کیا تھا کیونکہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں، روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہوجاتی ہے۔ بہرحال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا۔

نکاح کے بعد دوسرے دن حضرت علیؓ نے ولیمہ فرمایا، ولیمہ کے اندر چند صاع مکوہ، ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے اور چند جو کی روٹیاں اور کچھ کھجوریں تھیں بس اس طریقہ سے حضرت علی نے اپنا ولیمہ فرمایا۔

یہ مختصر سا طریقہ ہے اس نکاح کا جس کے کرنے والے دونوں جہاں کے سردار ہیں، جس کا نکاح ہو رہا ہے وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، اور جس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ چوتھے خلیفۂ راشد ہیں، تو تمام نبیوں کے سردار اپنی بیٹی کا کس سادگی کے ساتھ اور کس اختصار کے ساتھ اور کس سہولت و آسانی کے ساتھ اور کتنے معمولی مہر پر اپنی بیٹی کا نکاح فرما رہے ہیں، اور حضرت علی کس سادگی کے ساتھ ہلکا پھلکا ولیمہ کر رہے ہیں یہ وہ طریقہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

ولیمہ کے بارے میں تھوڑی سی مزید وضاحت کرنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ لوگ آج کل قرض اٹھا کر بڑے ٹھاٹھ باٹ اور شان و شوکت سے یہ دعوت کرتے ہیں اور اسے بڑی خوشی سے ''ولیمۂ مسنونہ'' کہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں صفیہ بنت شیبہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیویوں کے نکاح پر جو ولیمہ کی دعوت کی تو صرف دو سیر جَو کام میں آئے اور اسی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ کو اپنے نکاح میں لیا اور لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دی تو دسترخوان پر گوشت روٹی کچھ نہیں تھا، کچھ کھجوریں تھیں اور کچھ پنیر اور مکھن تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لئے باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں، کھانے پینے کی جو بھی مناسب اور مرغوب چیز میسر ہو رکھ دی جائے، لیکن بدقسمتی کی انتہا ہے کہ ہم مسلمانوں نے جہیز کی طرح ولیمہ کو بھی ایک مصیبت بنالیا۔

یہ ہے شادی بیاہ کا بہترین طریقہ، کتنا باسہولت اور کتنا باکفایت، اگر ہمارے معاشرے میں ایسی شادیاں ہونے لگیں تو سچ بتائیں کیا کوئی والدین اپنے بچوں، بچیوں کو جوان ہوتا دیکھ کر روئیں گے؟ کوئی جوان باپ اپنی اولاد کے نام پر بھیک مانگے گا؟ یا بچے اور بچیاں گناہوں کی دلدل میں گریں گے؟ کبھی نہیں، آج ہر شخص رسوم و رواج پر ماتم کرتا ہے قرضوں پر مگر مچھ کے آنسو بہاتا ہے اور اولاد بھی شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہے لیکن کوئی سیدھی راہ پر آنے کیلئے تیار نہیں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ نکاح بہت بابرکت ہے جس کا بار (خرچہ) کم سے کم پڑے۔(مشکوٰۃ المصابیح)

اس سے یہ ہدایت اور راہنمائی ملتی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہونی چاہئیں اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی گئی کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شادیوں اوران کے نتائج میں بڑی برکتیں ہوں گی۔

آج ہم جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں خاص کر گھر گھر جو دنگا فساد اور خانگی الجھنیں ہیں، اُن کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح اور شادی کے بارے میں ہم رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے انحراف کر کے، رسوم ورواج میں سب کچھ گنوا کر اور خوشی کے اس موقع کو کئی کبیرہ گناہوں سے آلودہ کر کے آسمانی برکات اور عنایات الٰہی سے محروم ہو چکے ہیں۔

فتاویٰ

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

آرگن ڈونیشن (اعضائے انسانی کا ہدیہ)

آج کل الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ فوت ہونے سے قبل اس بات کی وصیت کردیں کہ آپ کے اعضائے رئیسہ (دل، دماغ، جگر، گردے وغیرہ) انسانیت کی فلاح کے لیے وقف ہیں اور آپ کے فوت ہونے کے بعد ان کو نکال لینے کی مکمل اجازت ہے، کیا شریعت کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب... واضح رہے کہ میڈیا کے ذریعے اس بات کی (کہ فوت ہونے سے قبل ہر شخص اس بات کی وصیت کردے کہ میرے اعضاء انسانیت کی فلاح کے لیے وقف ہیں، فوت ہونے کے بعد ان کو نکال لینے کی مکمل اجازت ہے) ترغیب دینا اور تشہیر کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس بات کی وصیت کرنا جائز ہے، اگر کسی نے وصیت کرلی تو وصیت نافذ نہ ہوگی اور اگر کسی نے اس کی وصیت نافذ کرکے اس کے اعضا کسی دوسرے انسان میں لگا دیے تو وصیت نافذ کرنے والے سخت گناہ کے مرتکب ہوں گے، کیوں کہ اعضائے انسانی سے انتفاع حرام ہے، انسان اپنے جسم یا جسم کے کسی حصے کا مالک نہیں اور انہیں منشائے خداوندی کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا انسان اپنے کسی عضو کے ہلاک کرنے، کسی کو عطیہ کرنے یا بیچنے یا اس کی وصیت کرنے کا قطعاً مجاز نہیں۔

سالگرہ کی دعوت میں شرکت کا حکم

آج کل سالگرہ منانا ایک سماجی تقریب کی شکل اختیار کرگیا ہے، خاص طور پر پیارے بچوں کی تقریبات میں اگر بالکل قریبی عزیز واقارب شریک نہ ہوں تو بچوں کے والدین بہت بُرا مناتے ہیں، ایسی تقریبات میں شرکت جائز ہے یا ناجائز؟

جواب...اعزہ واقارب کی دعوت قبول کرنا سنت ہے اور صلہ رحمی کا تقاضا بھی یہی ہے، لیکن سالگرہ کی دعوت میں شرکت مندرجہ ذیل مفاسد کی وجہ سے درست نہیں:

❁ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ❁ کفار کے ساتھ مشابہت ❁ اسراف وفضول خرچ ❁ دکھاوا اور نام ونمود ❁ فخر وتکبر اور اپنی بڑائی جتلانا ❁ تصویریں کھینچوانا اور مووی بنوانا ❁ نامحرم مرد وزن کا اختلاط ❁ تحفہ وتحائف جو کہ تبرع واحسان ہے، اس کو لازمی سمجھا جاتا ہے، یا کم از کم نہ دینے کو بُرا سمجھا جاتا ہے ❁ عموماً ایسے مواقع میں کئی کئی وقت کی نمازیں ضائع کردی جاتی ہیں ❁ تعاون علی المعصیۃ (گناہ کے کام میں تعاون) ہے۔

بالوں کی سرجری

آج کل بالوں کی سرجی ہوتی ہے یعنی سر کے ایک حصے کے بال باقی سر پر سرجری کے ذریعے لگائے جاتے ہیں، ایک طریقہ مصنوعی بال لگانے کا ہے، سرجری کے ذریعہ اپنے ہی یا مصنوعی بالوں کا لگانا جائز ہے یا نہیں اور ان پر مسح کی کیا صورت ہوگی۔

جواب...سرجری کے ذریعے سر کے ایک حصے کے بال دوسرے حصے پر لگانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ کسی مرض کی وجہ سے، یا قدرتی طور پر وقت سے پہلے بال گر گئے ہوں، مصنوعی بال لگانے میں تفصیل ہے: اگر پیوندکاری وسرجری کے ذریعے لگائے جارہے ہوں تو انسانی بالوں کے علاوہ جانوروں کے بال، ہوں تو جائز ہے، انسانی بال لگوانا ناجائز ہے، اگر کسی نے لگوالیے تو گناہ گار ہوگا، البتہ ان پر مسح ہوجائے گا، بالوں کی سرجری نہ ہو، بلکہ وگ کے طور پر استعمال کیے جائیں تو اس میں ضروری ہے کہ وہ مصنوعی یا غیر انسانی بالوں کی ہو، اور اسے دھوکہ دہی کی غرض سے استعمال نہ کی جائے، وگ پر مسح جائز نہیں، اتار کر سر پر مسح کرنا ضروری ہے، خنزیر کے بالوں کو نہ بطور وگ استعمال کرنا جائز ہے نہ ہی سرجری کے ذریعے، لگوا لینے کی صورت میں جب تک نکلوانہ لیے جائیں طہارت حاصل نہ ہوگی۔